

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224211

UNIVERSAL
LIBRARY

ذی القعدة ۱۳۵۷ھ

جلد ۱۳ - عدد ۵

۷۸۶

ماہ نامہ

ترجمان القرآن

علوم قرآنی و تحقیق فرقانی کا ذخیرہ

مترجمہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی

دار الاسلام (پٹھان کوٹ - پنجاب)

قیمت فی پرچہ ۸ آنے

یہ قیمت سالانہ پانچ روپے

مدیر ترجمان القرآن کی تالیفات

الجہاد فی الاسلام | مختصر فہرست مضامین حسب ذیل ہے :-

۱۔ اسلامی جہاد کی حقیقت یہیں بتایا گیا ہے کہ قرآن کی تعلیم جہاد کن اہم حقائق پر مبنی ہے اور ظالم تمدن میں رُوح جہاد کا کیا مرتبہ ہے

۲۔ دفاعی جنگ وہ اغراض جن کے لئے قرآن نے دفاعی جنگ کا حکم دیا ہے۔

۳۔ مصلحانہ جنگ اسلامی جنگ کے اصول مقاصد کی تشریح اور ان اعتراضات کا جواب جس اس نوع کی جنگ کے لیے جاتے ہیں

۴۔ اشاعت اسلام اور تلواریں دعوت و تبلیغ کے متعلق اصول تعلیم اسلامی کی تشریح اور اس امر کی تحقیق کہ اشاعت اسلام میں تلوار کا کیا حصہ ہے۔

۵۔ قوانین جنگ اسلام سے قبل کے وحشیانہ طریقہ جنگ اور ان میں اسلام کی اصلاحات۔

۶۔ جنگ کے سرے مذاہب میں جنگ کے متعلق ہندو مذہب، بودھ مت، یہودیت اور مسیحیت کی تعلیمات پر مفصل تبصرو۔

۷۔ جنگ اور تہذیب بدینہ بین الاقوامی قانون جنگ کی تفصیل اور اسلامی قانون سے اس کا مقابلہ قیمت مجلد ضرر غیر مجلد بلکہ

رسالہ دینیات | یہ رسالہ سرکار آصفیہ کے محکمہ تعلیمات میں شریک کے طلبہ کو پڑھانے کیلئے لکھا گیا ہے۔ اور

علمائے دین کی ایک مستند مجلس اس کی تالیف میں شریک مشورہ رہی ہے۔ مسلمانوں کو کالج کی منزل میں داخل ہونے سے پہلے یہ رسالہ پڑھا دینا تہا ضروری ہے۔ یہیں بہترین عقلی دلائل کے ساتھ سلام کی بنیادی تعلیمات اصول شرعیہ کو سمجھایا گیا ہے اور ان شبہات کو رفع کیا گیا ہے جو زمانہ جدید کے دماغوں میں عموماً پیدا ہوتے ہیں۔

طلبہ کے علاوہ عام ناظرین اور خصوصاً جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لیے بھی اس رسالہ کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں نیز علما بھی اس سے مستفید ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ رسالہ انکو تباہیگا کہ اس میں سلام کو پیش کرنا صحیح طریقہ کیا ہے۔

قیمت ۱۰

دفتر ترجمان القرآن سے طلب کیجئے

Checked 1965

ضروری اطلاع

ادارہ دارالاسلام کی مجلس شوریٰ کے فیصلہ کے مطابق
ادارہ کام کرنا اور اسکے ساتھ ترجمان القرآن کا دفترہ رزوی الحجہ
شہ ۱۴۲۹ جنوری ۱۹۰۸ کوستی جمال پور سے لاہور منتقل ہو جائیگا۔
لہذا تاریخ مذکور کے بعد ادارہ دارالاسلام اور دفتر
ترجمان القرآن سے جملہ مراسلت ذیل کے پتہ
کی جائے۔

پونچھ روڈ۔ مبارک پارک۔ لاہور
معاصرین سے بھی گزارش ہے کہ آئندہ اپنے
موقر رسائل و جرائد مذکورہ بالا پتہ پر ارسال
فرمائیں۔

فہرست مضامین

ماہی ایقعدہ ۳۵۷ مطابقت ماہِ جنوری ۱۹۳۹ء جلد ۳۱ عدد ۵

۳۲۳ اشارات - ابو الاعلیٰ مودودی

مقالات :

۳۳۳ دین میں تحریف اور بدعت کے اسباب از افادات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب

۳۴۱ دلائل السنن والاثر جناب مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی

تسزلی قواویل :-

۳۵۷ امثال اہلستان جناب مولوی محمد ایوب صاحب حیرچوپی

۳۶۸ سورہ صافات کی قمیں جناب مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی

رسائل و مسائل :-

۳۸۰ صفات باری تعالیٰ ابو الاعلیٰ مودودی

خطباتِ جمعہ :-

۳۸۴ خطبہ صیام ابو الاعلیٰ مودودی

۳۹۲ مطبوعات - ”رص“

باہتمام چودھری نیاز علی خاں صاحب پرنٹر و پبلشر، گیلانی الیکٹریک پریس لاہور

میں طبع ہو کر دارالاسلام نزد پٹھان کوٹ سے شائع ہوا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اشارات

آج کی اشاعت میں پہلے صفحہ پر ناظرین کو یہ اعلان دیکھ کر حیرت ہوگی کہ ادارہ دار الاسلام کام کرنا اور ترجمان القرآن کا دفتر اس مقام سے (جس کا نام ہی اس منصب العین کی رعایت سے دار الاسلام رکھا گیا تھا) منتقل ہو رہا ہے۔ بلکہ جو حضرات اس اسکیم سے نسبتاً زیادہ گہری دلچسپی لیتے رہے ہیں ان کے لیے تو یہ امر شاید حیرت بڑھ کر کچھ پریشانی کا بھی موجب ہو۔ اس لیے مختصراً اس نقل مکان کے وجوہ و لمباب کی طرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، ورنہ قابل ترجیح تو یہی تھا کہ یہ معاملہ یونہی خاموشی کے ساتھ گزر جاتا۔

واقعہ یہ ہے کہ اس ادارہ کے تخیل کو کسی خاص مقام یا سرزمین سے کوئی تعلق نہیں ہے حقیقتہً دار الاسلام تو ہندوستان میں کوئی ایک چپہ بھر زمین بھی نہیں۔ البتہ ہمارا مقصد پورے ہندوستان کو دار الاسلام بنانا ضرور ہے سو اس مقصد کے لیے اس جزیرہ نما کے ہر خطہ میں ادارہ دار الاسلام قائم ہو سکتا ہے۔ رہا یہ خاص مقام تو اس میں نے شخصی طور پر بعض حضرات کی دعوت اور وعدہ اعانت پر ایک ایسی نمونہ کی بستی کے لیے پسند کیا تھا جہاں دار الاسلام کا منصب العین رکھنے والے ہر حصہ ملک سے سمٹ کر مجتمع ہو سکیں اور اپنے مقصد کے لیے اجتماعی سعی و جہد کرنے کی قوت و قابلیت ہم پہنچا سکیں۔ اسی خیال کو سامنے رکھ کر میں حیدرآباد سے یہاں ڈیڑھ ہزار میل کن اپنا گھر بار اٹھالایا تھا اور اپنے نزدیک یہ سمجھ رہا تھا کہ شاید یہی میرا مستقر بھی ہوگا اور متودع بھی۔ لیکن جب ادارہ باقاعدہ قائم ہوا اور رفقاءے کار مجتمع ہوئے تو تمام حالات کو سامنے رکھ کر بالاتفاق

یہ رائے قائم کی گئی کہ جو مقاصد اور اصول ہمارے پیش نظر ہیں ان کے متبع میں کام کرنے کا موقع یہاں نہیں مل سکتا۔ خود میرا پناہ دس مہینہ کا تجربہ بھی اسی پر شاہد تھا۔ لہذا یہ طے ہوا کہ ادارہ کام کر نہ یہاں سے کسی مناسب ترمیم پر منتقل کر دیا جائے، اور اس کے لیے متعدد حیثیات سے لاہور کو پسند کیا گیا۔

جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں ہمیں کسی زمین کی خاک سے کوئی دلچسپی و محبت نہیں ہے۔ محبت اس نصب العین سے ہے کہ اللہ کا کلمہ سب کھلوں پر غالب اور اس کا قانون سب قوانین سے بالاتر ہو۔ اس لیے ایک مقصد کے پیچھے جہاں جہاں جانے کی ضرورت ہوگی جائیں گے اور جس جس سرزمین کی خاک چھاننی پڑیگی چھانیں گے۔ مقصد اگر عزیز ہے تو اس کے لیے ہر زحمت گوارا ہونی چاہیے، اور زحمت اگر خوفناک ہے تو مقصد کا نام بھی زبان پر نہ آنا چاہیے، خصوصاً دارالاسلام جیسے مقصد عالی کا نام جسے زبان پر لانے کا حق ہی اس وقت تک کسی کو نہیں پہنچتا جب تک کہ اس کے قلب پر لا قَوْثُنَ اِلاَّ وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُونَ کی غمیت اور اِنَّ اللّٰهَ اَشَدُّ رِیْاضًا مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِآتٍ لَّهُمُ الْجَنَّةُ کے سوہر کا مل رضامندی ثبت نہ ہو جائے۔

اس نقل مقام سے ادارہ کے دستور العمل اور لائحہ عمل میں ان شاء اللہ یک سر و فرق نہ آئے گا۔ البتہ اس لائحہ کا صرف یہ حصہ سر دست معرض التوہی میں رہے گا کہ شہری آبادی سے ہٹ کر ایک علیحدہ مقام میں لائسنس ماحول پیدا کیا جائے اور وہاں تعلیم و تربیت کے اسباب فراہم کئے جائیں۔ بلاشبہ ہی اس ساری اسکیم کی جان ہے، لیکن جس خدا کے نام پر یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے اس سے کچھ بعید نہیں کہ اس کا بھی سامان کر دے و کسا ذِی اللّٰہِ عَلَی اللّٰہِ یَعِزُّ بِنَ۔

ادارہ کا باقاعدہ قیام اگرچہ حال ہی میں ہوا ہے، لیکن اس کے لیے علمی جدوجہد شروع ہوئے

پورا ایک سال ہو چکا ہے۔ مناسبتاً ہم ہوتا ہے کہ اس ایک سال کے واردات و صادرات کا خزانہ اذنی بقعہ
۷۷۸۔۰۔۰، جنوری ۱۹۳۷ء تک پیش کر دیا جائے۔

مجموع	خرچ
عطایا و معاونین ادارہ وصول ہو	۸۸۸-۲-۹ طباعت لٹریچر
عطیہ چودھری نیاز علی خاں صاحب	۲۰۰-۰-۰ ڈاک خرچ
فروخت کتب	۳۵۶-۲-۳ اسٹیشنری
زکوٰۃ و صدقات واجبہ	۳۸-۵-۰ متفرق سامان برائے ضرورت ادارہ
از ابو الاعلیٰ مصور کریم خان	۲۶-۱۰-۹ تنخواہ ملازمین
از ابو الاعلیٰ و دیگر کارکنان ادارہ بیت قیامت علیہ	۲۹-۸-۰ قرض حیدر نام غریز ہندی صاحب
	۱۵۷۹-۱۳-۹ مصادر دور غریز ہندی صاحب
	۲-۲-۰ خیرات از مذکورہ زکوٰۃ

۱۰۹۵-۱-۶

۱۵۷۹-۱۳-۹ جملہ آمدنی

۱۰۹۵-۱-۶ جملہ خرچ

۲۸۴-۱۳-۳ بقایا

اس بقایا میں خانجی چودھری نیاز علی خاں صاحب کے مطالبہ پر ۲۵۲ روپے ۱۲ ان کو نقد واپس کو گئے اسٹیشنری دعو، جنوری ۱۹۳۷ء کو
دقتدار میں موجود تھی، اور وہ سامان جو ضرورت ادارہ کیلئے خریدا گیا تھا ان کے حوالہ کر دیا گیا۔ اس طرح اس کے جملہ حساب ہی باقی
۱۷ مکان سومرا مکان موقوفہ جہ اور غلام سومرا زمین کی پیداوار ہی جو ارکان ادارہ نے استعمال کی۔ لہذا گریہ مکان اور قیامت علیہ کی رقم
دہل چودھری نیاز علی خاں صاحب کے ٹرسٹ کو ادا کی گئی تھی اور اس ٹرسٹ کی طرف ادارہ کے بیت الماں میں داخل ہوئی تھیں۔

۴۰ میر جناب خاں صاحب نے محمد نصیب صاحب باراٹ لاگورداسپور کی طلب پر ان کا عطیہ مبلغ سو سو روپیہ بھی واپس کر لیا گیا۔

کرنے کے بعد ادارہ کو خزانہ میں ضرر ایک سو تیس روپے باقی ہیں، اور سامان کی صورت میں کچھ موجود نہیں۔
 (اس موقع پر مجموعیہ بیان کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہو کہ ذاتی طور پر میں اور میرا سارا ترجمان القرآن کسی شخص یا جماعت کی مالی اعانت کا کبھی شرمندہ احسان نہیں ہوا میں یہاں اپنے خرچ پر آیا، اپنے خرچ پر رہا اور اپنی شخصی ذمہ داری پر سالہ چلاتا رہا۔ اس تصریح کی کوئی توجہ نہ تھی اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ بعض حضرات اس باب میں غلط فہمیاں پھیلا رہے ہیں)۔

اس حساب کی رو سے ہم ایک سو پچیس روپے کا عظیم الشان سرمایہ لینے ہو دو دوسرے سال کی سرحد میں داخل ہو رہے ہیں۔ دنیوی لحاظ سے یہ سرو سامان بہت حقیر ہے۔ شاید اسے دیکھ کر لوگ ہمارا مذاق اڑائیں گے کہ اس بن بوتے پر آپ کفر کی ان زبردست طاقتوں کا مقابلہ کرنے چلے ہیں جن کے سرمایہ کو اربوں اور سکھوں کے حساب سے بھی شمار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اسلام کی تاریخ پر جب ہم نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں یہی نظر آتا ہے کہ یہ جب کبھی اٹھا ہے، بے سرو سامانی کے ساتھ ہی اٹھا ہے، اور اسی حال میں اس نے بڑی سرو سامان والی طاقتوں کے ساتھ ٹکرائی ہے۔ لہذا سرمایہ کی قلت وہ چیز نہیں ہے جو ہمارا دل توڑنے والی ہو۔ ہاں! دل توڑنے والی چیز اگر کوئی ہے تو وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے سینوں میں ایسے دل نظر نہیں آتے جو اسلام کی صحیح کیفیت سے سرشار ہوں۔ کاش، ان سو سو روپوں کے بجائے صرف سو ایسے ہمارے بیت المال میں ہوتا مگر ہمارے ساتھ مردان حق کی ایک ایسی جماعت صفت بستہ ہوتی جن کے دل حب الدنیا و کوہیۃ الملوٰت سے خالی ہوتے۔ یہ ہے وہ اصلی سرمایہ جس کے فقدان کا ہمیں افسوس ہے۔ غلط کہتا ہے جو کہتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس دولت نہیں اس لیے یہ کمزور ہیں۔ مسلمانوں میں دولت اب بھی موجود ہے مگر زیادہ تر ان طبقوں میں ہے جو دودھاؤں کی پوجا کرتے ہیں، مسجد میں خداوندِ عالم کی اور مسجد سے باہر شیطانِ نفس کی۔ اور جن طبقوں میں دولت نہیں ہے ان کے ضعف کا بھی اصلی سبب دولت کا فقدان نہیں بلکہ مبعود زریں بندگی ہے جسے راضی کرنے کی فکر ان میں سے بہتوں کو خدا سے بے فکر کر دیتی ہے۔ لیکن اس قوم کو سر سے پاؤں تک کھا گیا ہے ورنہ ممکن نہ تھا کہ اس میں حقیقی خدا پرستی زندہ ہوتی اور پھر یہ غلام ہوتی۔

ادارہ دار الاسلام کا دستور العمل شائع ہوئے تقریباً تین مہینے ہو چکے ہیں۔ اس دوران میں ہمارے ارکان کی تعداد پانچ سو بیڑھ کچھ ہو گئی اور خوشی کی بات ہے کہ کچھ رکن ایک خاتون ہیں۔ ان کے علاوہ حیدر آباد اور اسسٹنٹ پشاور، دہلی، لاہور اور ممبئی سے چھ اصحاب نے اپنے آپ کو کزنیت کے لیے پیش کیا ہے لیکن بنا برا احتیاط ان کو ابھی آزمائشی دور میں رکھا گیا ہے تاکہ کچھ مدت تک وہ اپنے نفس کا پورا احتساب کریں اور پہلے خود اس امر کا اندازہ کر لیں کہ کیا وہ کزنیت کی ذمہ داریاں نبھانے کے لیے اپنے آپ میں پوری طاقت پاتے ہیں یا نہیں۔ معاونین کی فہرست میں بھی چھ اصحاب نے اپنا نام پیش کیا ہے جسے قبول کر لیا گیا کیونکہ کزنیت کی نسبت اس باب میں کم چھان بین کی ضرورت ہے۔

رفتار ترقی کی سستی بجائے یا بوس کن ہونے کے ہمارے لیے امید افزا ہے۔ ہمارے پیش نظر تعداد کی کثرت نہیں بلکہ کیفیت کی شدت ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ جن لوگوں تک اس ادارہ کا تخیل پہنچا ہے وہ اس وزن کو محسوس کر رہے ہیں، اور انھیں اس امر کا شعور ہے کہ اس ادارہ کی شرکت عام انجمنوں کی شرکت سے مختلف چیز ہے۔ اسی احساس کا نتیجہ ہے کہ بہت سے وہ لوگ بھی جو ہمارے مقاصد اور طریق کار سے کلی اتفاق رکھتے ہیں، اپنے آپ کو کزنیت یا معاونت کے لیے پیش کرتے ہوئے سمجھتے ہیں، اور جو اقدام کرتے ہیں ان کی محتاط پیش قدمی سے صاف تر شرح ہوتا ہے کہ وہ کسی ہنگامی جوش میں ایسا نہیں کر رہے ہیں بلکہ یہ ان کے گہرے تفکر اور حقیقی شرح صدر کا نتیجہ ہے۔ فطری بات ہے کہ اس صورت میں رفتار ترقی تیز نہیں ہو سکتی مگر جتنی ترقی بھی ہوگی ان شاء اللہ مستحکم اور پائدار ہوگی۔ اور ہم اپنے آپ کو اس وقت خوش نصیب سمجھیں گے جب اس ٹھنڈی رفتار کے ساتھ ہمیں آٹھ نو کروڑ مسلمانوں کی اس بستی میں سے پچاس مومن قانت مل جائیں گے۔

دوسری طرف بہت سے حضرات نے مراسلات میں بھی اور زبانی گفتگووں میں بھی مختلف قسم کے

شبہات کا اظہار کیا جن کا دائرہ اتنے وسیع مباحث پر پھیلا ہوا ہے کہ انھیں سمیٹنے کے لیے ایک دفتر چاہیے۔ ان سے ہمیں یہ معلوم کرنے کا اچھا موقع مل گیا کہ اس وقت ہمارے ارباب فکر عموماً کس قسم کی الجھنوں میں مبتلا ہیں، اور ساتھ ہی یہ دیکھ کر اطمینان بھی ہوا کہ اس تمام ذہنی بد نظمی کی تہ میں ایک حقیقی تجسس چھپا ہوا ہے جس کی تشفی کا سامان اگر ہم پہنچ جائے تو ہماری قوم کی یہ ساری قوتیں جو فضول ضائع ہو رہی ہیں، رفتہ رفتہ ایک اجتماعی نصب العین کی طلب میں لگ جائیں گی۔

ہر شبہ کا جواب برسر موقع دیا جاتا رہا ہے لیکن ایک خاص شبہ لیا بھی ہے جسے مختلف پہلوؤں سے مختلف حضرات نے پیش کیا ہے، اور خیال ہوتا ہے کہ شاید وہ نسبتاً زیادہ عام ہے، لہذا ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ یہاں اسے بیان کر کے صاف کر دیا جائے۔ اس شبہ کا خلاصہ دو سوالوں کی شکل میں بیان کیا جاسکتا ہے:

- (۱) تم نے اس ادارہ کو ایک تربیت گاہ یا ایک علمی مرکز کے بجائے ایک تحریک اور وہ بھی آل انڈیا قسم کی تحریک کی صورت دیدی ہے۔ کیا اس سے تمہارا مقصد آل انڈیا انجمنوں میں ایک اور کا اضافہ کرنا ہے؟
 - (۲) تم نے مسلمانوں کی تمام انجمنوں پر حجتی کہ مسلم لیگ پر بھی، جو تم سے نسبتاً قریب تر حقیقی تنقید کر ڈالی کی گئی اپنی ڈیڑھ اینٹ لگی آگ بھننا چاہتے ہو اور ان کے رقیب کی حیثیت سے میدان میں آ رہے ہو؟
- ان دونوں سوالوں کا مختصر جواب ہم ایک ہی سلسلہ میں دیں گے۔

یہ گمان کہ ہم کوئی جمہوری یا عمومی تحریک (Mass-movement) لے کر اٹھ رہے ہیں، صرف اسی ایک بات کے آسانی دور ہو سکتا ہے کہ ہم نے رکن تو درکنار، معاون بننے کے لیے بھی اتنی کڑی قیود رکھی ہیں جو شاید کسی دوسرے ادارہ میں قیادت علیا کے لیے بھی نہیں ہیں۔ اسی سے اندازہ کر لیا جاسکتا ہے کہ کم از کم مستقبل قریب میں تو یہ ادارہ کوئی عمومی تحریک نہیں بن سکتا۔ اس قسم کا خطرہ جن حضرات کے دل میں گزرا وہ شاید مسلمانوں کی طرف سے بہت ہی خوش گمان واقع ہوئے ہیں کہ اتنی سخت قیود کے باوجود وہ توقع

رکھتے ہیں کہ اس حالت میں اس قوم کے درمیان ایسا ادارہ بھی ایک عمومی ادارہ بن سکتا ہے لیکن اگر فی الواقع ایسا ہو جائے، اگر لاکھوں آدمی دارالاسلام کا نصب العین لے کر اس کی سرکڑی طاقت کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں جس کا نقشہ ہمارے دستور العمل میں پیش کیا گیا ہے تو یہ گھبرانے کی نہیں، خوشی کی بات ہوگی وہ دن تو اسلام کی فتح کا دن ہوگا جس کی تمنا ہر مسلمان کے دل میں ہونی چاہیے نہ کہ خوف!

دستور العمل سے گذر کر جب آپ ہمارے لائحہ عمل کو دیکھیں گے تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ یہ لائحہ عمل کسی آل انڈیا قلم کی عمومی تحریک کا نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ایک خشک، بے مزہ، سخت محنت طلب اور خاموش تعمیری پروگرام ہے جس کو عمل میں لانے کے لیے اعلیٰ درجہ کی اخلاقی، ذہنی اور عملی صلاحیتوں کی ضرورت ہے، الگ تار عمل کی ضرورت ہے اور وہ بھی بے مزد و سبے اجر، ایثار و قربانی کی ضرورت ہے اور وہ بھی صرف آسائش اور جذبات نفس ہی کی حد تک نہیں بلکہ مال اور جان کی حد تک بھی۔ کیا یہ چیز عوام کے مطلب کی ہو سکتی ہے کہ اس کی طرف ان کے فوج در فوج متوجہ ہو جانے کا اندیشہ کیا جاسکے؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہم نے اپنے نظام کو ایک تمام پر محدود نہیں رکھا ہے بلکہ ان سب لوگوں کے لیے اس سے وابستہ ہونے کا موقع فراہم کر دیا ہے جو ہمارے ہم خیال ہوں، خواہ ہندوستان کے کسی گوشے میں بیٹھے ہوئے ہوں۔ لیکن اس کا مدعا اس ادارے کو عام مصلاحی ممنوں میں آل انڈیا بنانا نہیں ہے بلکہ مقصد کچھ اور ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہندوستان کے ہر گوشے میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اسی ایک نصب العین کے لیے جی رہے ہیں جو ہمارے پیش نظر ہے ان میں سے بعض کی تو تین سو تیسریں وجہیں ضائع ہو رہی ہیں، اور بعض یا یوس بیٹھے ہوئے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ان سب کو ایک سلک میں منسلک کر دیں تاکہ اس نصب العین کے لیے اجتماعی طاقت فراہم ہو سکے۔ انہی لوگوں میں سے، یا ان کے ذریعہ سے ہم کو اپنے کام کے آدمی مل سکیں گے ورنہ یہاں کس کے پاس اتنا وقت اور اتنا سرمایہ ہے کہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں کام کے آدمی ڈھونڈتا پھرے۔ انہی

لوگوں کے ذریعہ سے ہم اپنے خیالات منظم طریقہ پر پھیلانے کے، اور یہی لوگ آخر کار ان تربیت یافتہ آدمیوں کے لیے میدان عمل فراہم کریں گے جنہیں ہمارا ادارہ مختلف تعمیراتی خدمات کے لیے تیار کرے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام فوائد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک کہ ادارہ کے نظام کو وسیع نہ کیا جائے۔

بلاشبہ مسلمانوں کو ایک ایسی جمہوری تحریک کی بھی ضرورت ہے جو عوام میں بیداری پیدا کرے اور وسیع پیمانے پر منظم جدوجہد کر کے ہندوستان کی اجتماعی زندگی میں مسلمانوں کے لیے ان کی قوم کے شایان شان مرتبہ حاصل کرے۔ جو لوگ اس کام کے لیے موزوں ہیں ان کو یہی کام کرنا چاہیے لیکن اس جمہوری تحریک کی پشت پر ایک ایسی تعمیراتی تحریک کی بھی ضرورت ہے جو قوم کو بنانے والی حقیقی طاقت فراہم کرے اور جمہوری حرکت کو حیات اجتماعی کی اصلی غذا ہم پہنچائے۔ صدیوں سے مسلمان اس حقیقت کو بھولے ہوئے ہیں کہ خلافتِ الہی کا قیام وہ واحد غرض ہے جس کے لیے ان کو ایک الگ قوم بنایا گیا ہے۔ اسی خود فراموشی کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی قومی تحریکیں، اور ان کے کارکنوں کی طاقتیں ایسے مختلف راستوں پر پھٹکتی رہی ہیں اور اب تک بھٹکے ہی ہیں جن میں سے کوئی راستہ بھی سیدھا ان کی منزلِ مقصود کی طرف نہیں جاتا۔ لہذا کوئی جماعت ایسی بھی ہونی چاہیے جو ان کے سامنے اس نصب العین کو ہر وقت نمایاں اور روشن کرتی رہے، اور ان کی ہر جمہوری حرکت کو اسی کی طرف بڑھنے پر اکرائے اور اگر اس منہاس فرود کسی مقام پر وہ ٹھہر رہے ہوں تو انہیں دھکیل کر آگے بڑھنے پر مجبور کرے۔ یہی وہ اصلی کمزوری جس نے مسلمانوں کو اپنے قومی نصب العین کی طرف بیشِ قدمی سے درماندہ کر رکھا ہے، یہ ہے کہ صدیوں ان کے ہاں اصولِ اسلام کی بنیاد پر تعینوع کا کام بند پڑا ہے، اور بعد کی نسلیں صرف اسی سرمایہ پر زندگی بسر کرتی رہی ہیں جو ابتدائی تین چار صدیوں میں ان کے قومی ہماروں نے فراہم کیا تھا۔ یہ سرمایہ اب بالکل لاکھنی ہو چکا ہے۔ زندگی کے بدلے ہوئے حالات میں جمہور کے مسائل سے اب وہ دوچار ہو رہے ہیں ان کا کوئی

مفصل، مرتب، قابل عمل حل ان کو نہیں ملتا۔ ان کے ہاں عقائد اور اخلاقیات سے لیکر تمدنی، معاشرتی، سیاسی اور بین الاقوامی قوانین تک ہر چیز ہزار برس پرانی زبان میں ہے جسے اب کوئی نہیں سمجھ سکتا، اور ہزار برس پرانی زندگی سے وابستہ ہے جو آج کہیں موجود نہیں ہے۔ اگرچہ مسلمان ابھی کبھی کبھی اسلامی حکومت کا نام زبان پر لے آتے ہیں، لیکن اگر کسی خطہ ارضی میں ان کو حکومت کا موقع مل بھی جائے تو صحیح منقول میں کوئی اسلامی حکومت قائم نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے پاس اس زمانہ کی ضروریات کے مطابق ایک ترقی پذیر نظام تمدن و سیاست کو چلانے کے لیے کوئی چیز بھی مرتب نہیں ہے، حتیٰ کہ قرآن و سنت کے اصول و کلیات کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے والے بھی ان میں کہیں شاذ و نادر ہی ملتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ترکی و ایران جیسی سلطنتوں کو مجبوراً فرنگی قوانین کی طرف رجوع کرنا پڑا، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان میں بھی جو لوگ اس وقت اسلام کے نام سے ہماری قومی جمہوری حرکت کو چلا رہے ہیں، وہ غریب صحیح اسلامی اسپرٹ اور صحیح اسلامی اصولوں پر ہمارے قومی مسائل کو حل نہیں کر سکتے۔ پس ہماری جمہوری تحریک کی کامیابی کا، بلکہ ہماری قوم کے مستقبل کا انحصار اس پر ہے کہ ہماری ہاں ایک جماعت ایسی پیدا ہو جس کی حقیقی ضرورت کو پورا کرے جو ایک ایسا خزن ہدایت ہو جس کی طرف ہر ضرورت کے موقع پر رجوع کیا جاسکے جس میں اتنی زبردست قوت محرکہ موجود ہو کہ موجودہ زمانہ کی غیر اسلامی تحریکات کا نہ صرف مقابلہ کر سکے بلکہ افکار کے سلسلہ کا رخ اسلامی نصیب العین کی طرف پھیر دے، اور اُردی حکومت پہلے اسلام کی عقلی و دماغی حکومت قائم کرے، خوب رکھنا چاہئے کہ کوئی تہذیب محض سیاسی و فوجی طاقت کے بل پر قائم نہیں ہو سکتی۔ وہ صلی طاقت جو کسی تہذیب کو قائم کرتی اور قائم رکھتی ہے، عقلی و دماغی طاقت ہے۔ تاہم تاریخوں، تلواریں اور زور اسلامی مملکتوں کی تختہ الٹ دیا، مگر وہ کوئی تہذیبی انقلاب نہ کر سکی بلکہ خود ان کی تہذیب مغلوب ہو گئی جن کو انھوں نے تلواریں زور مغلوب کیا تھا، ایسے کہ ان کا عقلی و دماغی حکومت قائم کرنے والی کوئی طاقت نہ تھی۔ لہذا اگر ہم اس فیصلہ حاصل ہو جائے تو ہم اسلام کی حکومت دنیا کے کسی خطہ میں بھی قائم نہیں کر سکتے، تحریک کہ ہمارا پس قرآن کا صحیح فہم نہ ہو، اور اتنی صلاحیت نہ ہو کہ طالع خدائی بنیادوں پر

کسی تہذیب و تمدن کی عمارت اٹھا سکیں۔

یہی دو کام ہیں جن کے لیے ادارہ داران اسلام قائم کیا گیا ہے ہمیں اپنے کام اور اس کی نوعیت اور اس کے دائرے کا پورا شعور رہی اور ہم اپنی تمام کوششوں کو اسی حد اندر محدود رکھیں گے جو اس کام کی فطرت چاہتی ہے۔ لہذا کسی جماعت کو یا مذہب نہ ہونا چاہیے کہ ہم ان کے دائرہ عمل میں مداخلت سجا کریں گے۔ بلکہ اگر وہ سمجھیں تو ہمیں خود محسوس ہو جاگا کہ ہم ان رقبہ نہیں بلکہ حقیقی خادم ہیں۔

ہمیں مسلمانوں کی وہ مختلف جماعتیں ہیں اس وقت جمہوری تحریکیں چلا رہی ہیں، تو ہمیں معلوم ہو کر ان میں کون ہمارا راستہ قریب تر ہے اور کون بعید تر لیکن ہم نے قصداً کوئی خاص جماعت کی تائید حمایت کے استراکیز کیا ہے تاکہ اس جیسے بندی کو دوں، جبکہ اشخاص اور پارٹیکولر کیسلیں ہی تھیں اور پائل کو معائن کر رہے ہیں، ہم کو کسی پارٹی کا نصیب سمجھ لیا جائے۔ ہمارا خطاب عام ہے ہم ہر مسلمان کو اور مسلمانوں کی ہر جماعت کو اس کی وہ نصیبین یاد دلاتے ہیں جو خدا اس کی ہر ضرورت کے لیے رکھا، اور اس کی تائید نہیں اس نصیبین کی طرف لے جانے والا ہے، اور وہ اس کے دور شہادہ والا ہے جس کے دل میں ان کی محبت ہوگی، اگر غلطی بھی کر رہا ہو تو اس بار آج کا اور خود ہی اس سے پر چلا جائے گا جو الہی نصیبین کی طرف لے جائے والا ہے اور جو اشخاص یا پارٹی کی محبت میں گرفتار ہوگا، وہ اپنی ضد پر ادا رہے گا، اور اس حقیقت کو نہیں توکل کرے گا کہ یہ ایک انسان جمعی کے لئے ہے نہ چاہیں گے۔ اسی طرح تنقید میں بھی ہم نے کبھی کسی کی حمایت یا مخالفت کو مقصود بالذات نہیں بنایا بلکہ ہمیشہ اسلامی نصیبین ہی ہمارا مقصود رہا ہے، اور ہم نے ہر اسلامی جماعت کو اس کی کوتاہیوں پر (خواہ وہ چھوڑی ہو یا بہت) صرف اس لئے متنبہ کیا کہ وہ ان کا تذکرہ کر کے اس نصیبین کی طرف پیش قدمی کر دے کی قوت و قابلیت ہم پہنچائے۔ ہر جماعت اور ہر شخص کو اپنے بہتے لوگوں کی تائید حاصل ہے جو اس کی غلطیوں اور کمزوریوں پر پردہ ڈالتے ہیں کی غیر شرط حمایت کرتے ہیں۔ اس تائید پر اگر کوئی میں کی ضد کی حاجت نہیں۔ البتہ ایک ایسے درمند دوست کی سبب ضرورت ہو جو انہیں ان کی کوتاہیوں کو اس حد و مضامین میں سبب رہنے پر راضی ہو۔ ایک نقطہ نظر یہ تھا کہ آدمی کسی کو اپنا کر کے نہ ملے بلکہ وہ اس نقطہ نظر سے غلطی سے کہ خدا کو اپنا کر لے۔

مقالات

دین میں تحریف اور بدعت کے اسباب

از افادات حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

جو صاحب سیاست کبریٰ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا دین لے کر آیا ہو جو تمام ادیان کا ناسخ ہو اس کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ اپنے دین کو فتنہ تحریف کی دست برد سے محفوظ کر دے۔ کیونکہ اس کی عام اولیٰ ہمہ گیر دعوت مختلف استعداد مختلف مزاج اور مختلف اغراض و مقاصد رکھنے والی جماعتوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرتی ہے۔

ایسا ہوا کرتا ہے کہ لوگ اپنی ہوا پرستی یا اپنے پہلے مذہب کی محبت کی وجہ سے یا مصالح شرعیات کا کامل احاطہ نہ کرنے والی فہم نارسا کے اشارہ پر بہت سی منصوص تعلیمات شرع کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اور کبھی اس میں غیر شرعی تخیلات اور تعلیمات ٹھونس دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سالادین مسخ اور درہم برہم ہو جاتا ہے جیسا کہ بہت سے قدیم مذاہب کی تاریخ گواہ ہے۔ لیکن چونکہ اس فتنہ کے دروازے بے شمار اور ان کی تعداد غیر متعین ہے اور سب کا استقصاء ممکن نہیں۔ لہذا اشارے کے لئے ضروری تھا کہ راست کو اجماعاً بتا دیتے ہیں۔ تحریف سے ڈرا کر متنبہ کر دے اور اس کے لئے چند ایسے اصولی مسائل کو مخصوص کرے جن کے بارے میں قیاس کہتا ہے کہ عموماً ماہدان اور تحریف کے فتنے بنی نوع انسان میں انہیں راستوں سے گھسا کرتے ہیں۔ اور ان راستوں کو اچھی طرح بند کر دے۔ اس تہدید و انداز کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی شریعت میں ایسی چیزوں کو داخل کرے جو مسخ شدہ اور باطل مذاہب کے مولیٰ اور شہ پور ترین رسوم و شعائر کے بالکل مخالف

ہوں مثلاً نماز وغیرہ تاکہ کوئی ظاہری تشابہ باقی نہ رہ جائے اور کسی پرانے نہر کے کنارے سے ماہنت کا مکان باقی نہ رہے۔

تہاؤن | تحریف کے اسباب میں سے ایک تہاؤن ہے یعنی احکام شرع سے بے پروائی نہ تہاؤن کی حقیقت یہ ہے کہ رسول کو تربیت یافتہ حواریوں کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہونے لگیں جو نماز کو ضائع کر کے شہوات کی پیروی میں غرق ہوں، علم و عمل اور تعلیم و تعلم کے ذریعہ دین کی اشاعت کا اہتمام چھوڑ دیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے کنارہ کش ہو جائیں۔ اور اس طرح چند روز بعد مخالفت دین روم پیدا ہو جائیں اور بحیثیت مجموعی عام طبائع انسانی کا رجحان مزاج شریعت کے خلاف ہو جائے۔ پھر ایسے دوسرے خلف آئیں جو شریعت سے بے اعتنائی کے اس جرم میں اور زیادہ آگے بڑھ جائیں یہاں تک کہ علم دین کا اکثر حصہ ضیاع ہو کر رہ جائے۔ یوں تو امت کے ہر طبقہ کا تہاؤن خطرناک اور مضرت رساں ہے مگر جب اس کا صدور رؤسا و اکابر قوم سے ہو تو پھر اس کی مضرتوں کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ اسی سبب سے حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام کی شریعتیں برباد ہو گئیں اور آج اس کے اصلی خطہ و خال کا سراغ لگانا قریباً ناممکن ہو گیا ہے۔

تہاؤن کے چند اسباب و ذرائع ہیں۔

(۱) پہلا سرچشمہ تہاؤن کا صاحب شریعت کی روایات کو محفوظ نہ رکھنا اور ان کے مطابق عمل نہ کرنا ہے۔

مندرجہ ذیل ارشاد نبوی اسی فتنہ سے باخبر کر رہا ہے :-

”دیکھو! عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب طعام و شراب سے ایک بدست انسان اپنے

تخت پر بیٹھ کر کہے گا کہ تم اس قرآن کو مضبوط پکڑ لو اور اس میں جس چیز کو حرام پاؤ اسی کو حرام

سمجھو اور جس شے کو حلال پاؤ اسی کو حلال سمجھو۔ حالانکہ خدا کے رسول کی حرام کی ہوئی چیز بھی ویسی

ہی قطعی الحرمت ہے جیسی خود اللہ کی حرام کی ہوئی۔“

اسی بات کو دوسری جگہ یوں فرمایا :-

”اللہ تعالیٰ لوگوں کے سینوں سے علم نہیں اٹھائے گا بلکہ علماء کو اٹھائے گا اور ان کے اٹھ جانے سے علم اٹھ جائے گا۔ یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہ جائے گا اس وقت لوگ جاہلوں کو امام بنا کر ان کی طرف رجوع کرنے لگیں گے، ان سے مسئلہ پوچھا جائے گا اور وہ بغیر کسی علم و بصیرت کے فتویٰ دیں گے۔ خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہی کے جہنم میں ڈال دیں گے۔“

(۲) دوسرا سبب ایسی اغراض فاسدہ ہیں جو من گھڑت تاویلات پر آمادہ کرتی ہیں مثلاً نفس پرست اور اولوک کی طلب رضا جس کی وجہ سے انسان اُن کی ہوا پرستیوں کے لئے کلام الہی کی غلط تاویلیں کر کے سزاوارز ہیا کرتا ہے۔ آیت ذیل ایسے ہی ایمان فروشوں کو مخی طیب کرتی ہے :-

”جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کو چھپاتے ہیں اور اس کے عوض تھوڑا سا مٹا و ضا حاصل کرتے ہیں، وہ اور تو کچھ نہیں مگر اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔“ (بقرہ - رکوع ۲۱)

(۳) تہا و ن کا تیسرا منہج منکرات اور فاحشات کا امت میں پھیل جانا اور علماء کا ان پر خاموشی اختیار کر لینا ہے۔ اسی حالت کے متعلق قرآن کہتا ہے :-

”تم سے پہلے گزرنے والی اقوام میں ایسے ارباب خیر کیوں نہ ہوئے جو لوگوں کو ارض الہی میں فساد برپا کرنے سے روکتے۔ رہاں ایسے لوگ تھے تو ہسی، مگر بہت کم تھے جنہیں ہم نے عذاب بجا لیا۔ رہے ظالم و نافرمان لوگ تو وہ اسی لذت دہنوی میں سرشار رہے جو انہیں دی گئی تھی اور یہ لوگ کچھ تھے ہی بدکردار۔“ (ہود - رکوع ۱۰)

نبی اسرائیل کی معصیت پر تہی پر تبصرہ کرتے ہوئے آنحضرت صلیع فرماتے ہیں :-

”ان کے علمائے انہیں برائیوں سے روکا لیکن وہ نہ رکے پھر علماء ان سے قطع تعلق کرنے کے بجائے ان کی مجلسوں میں اٹھتے بیٹھتے اور ان کے ساتھ کھانے پینے لگے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایک دوسرے سے مار دیا یعنی سب کو مصیبت کی یہاں ہی میں رنگ دیا، اور اُدُّو عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے ان پر لعنت کی، کیونکہ وہ خدا کی نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھ کر گتھے۔“

تعلیق | تحریف کا دوسرا سبب تعلق ہے یعنی خواہ مخواہ بال کی کھال نکالنا۔ اس کی متعدد صورتیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ جب شارع کسی چیز کا حکم دے یا کسی کام سے روکے تو اس کے حکم کو سن کر کوئی شخص اپنے ذہن کے مطابق خود ایک معنی متعین کرے پھر وہی حکم اپنی طرف سے کسی ایسی دوسری چیز پر عائد کر دے جو بعض وجوہ سے پہلی شے کے مشابہ ہو، یا دونوں میں کسی پہلو سے اس کو اشتراک علت نظر آئے۔ یا ایک شے کے حکم کو اس کے تمام اشکال اور منطقات اور اجزاء پر علحدہ علیحدہ جاری کر دے۔ یا جب کبھی روایات کے تعارض کی وجہ سے اصل حکم اور اس کے صحیح محل وقوع کی تیز کر سکے تو تمام صورتوں میں سے سخت ترین صورت کو اختیار کر کے اُسے واجب سمجھ لے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل کو عبادت پر معمول کرے (حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے بہت سے افعال محض عادت کے طور پر کئے ہیں، عبادت سے ان کا کوئی تعلق نہیں) اور یہ خیال کر کے کہ یہ تمام امور شریعت کی حیثیت رکھتے ہیں اور امر وہی کے ذیل میں آتے ہیں، حکم لگا دے کہ خدا نے ان کاموں سے روکا ہے اور ان کاموں کا حکم دیا ہے۔ یہ تمام صورتیں تعمق فی الدین کی ہیں۔ مثال کے طور پر روزہ کے احکام کو لے لو۔ شارع نے جب نفس حیوانی کو مغلوب کرنے کے لئے روزہ رکھنے کا حکم دیا اور اس میں مباشرت سے منع فرمایا تو بعض لوگوں نے سمجھا کہ سحری کھانا بھی خلاف شرع ہے کیونکہ اس سے روزہ کا مقصد (یعنی نفس کشی) فوت ہو جاتا ہے نیز روزہ دار کے لئے بیوی کا بوسہ لینا بھی ناجائز ہے کیونکہ وہ بھی مباشرت کا داعیہ ہے، بلکہ قصائے شہوت میں ایک طرح مباشرت کے مشابہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان خیالات کی اطلاع پہنچی تو آپ نے ان کی غلطیوں کو واضح

کر کے فرمایا کہ اس قسم کا قیاس تحریف دین ہے۔

تشداد | تحریف و بدعت کا تیسرا دروازہ تشدد ہے، یعنی ایسی سخت اور شاق عبادتوں کا اختیار کرنا جن کا شارع نے حکم نہیں دیا مثلاً مسلسل روزے رکھنا، ہر وقت نماز و مراقبہ میں مصروف رہنا، تہجد اختیار کرنا سنن و آداب کا واجب اور فرض کی طرح التزام و اہتمام کرنا وغیرہ۔ چنانچہ سب حضرت عبداللہ بن عمر اور عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہما ذیہی سخت ریاضتوں کا ارادہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع کر کے بٹے فرمایا کہ جب کوئی شخص دین کے ساتھ سختی برتے گا اور اپنے نفس کو ناقابل برداشت عبادتوں میں مبتلا کرے گا، تو وہ دین کی پیروی سے عاجز ہو جائے گا۔

اس تعمق یا تشدد کو اختیار کرنے والا جب کسی گروہ کا امام اور علم بن جاتا ہے تو اس کے مقلد یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ سارا مومنوں کی ان کا امام بطور عبادت کے سرانجام دے رہا ہے، شرعی احکام ہیں۔ اس طرح یہ تمام چیزیں جبر و دین خیال کی جانے لگتی ہیں۔ یہود اور عیسائی راہبوں کی یہی وہ خطرناک روش تھی جس نے دین کو تباہ کر کے رکھ دیا۔

استحسان | تیسرا سبب استحسان ہے، یعنی جاہلانہ قیاس آرائی۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص شارع کے طریق تشریع پر نگاہ ڈال کر دیکھتا ہے کہ وہ ہر مصلحت اور حکمت کے لئے ایک مناسب منسلق مقرر کرتا اور ہر ایک مقصد کے حصول کے لئے ایک موزوں قالب معین کرتا ہے لیکن چونکہ یہ شخص نگاہ نبوت کی حقیقت شناسی اور وسعت قدر و آثار محروم ہوتا ہے اور اسراۃ الشریع کے تمام پہلوؤں کو نہیں دیکھ سکتا، اس لئے وہ ایک آدھ مصلحت کو اپنی فہم کے مطابق شریعت کی دفعات بنانے لگتا ہے۔ یہود کی مثال تھاہارے سامنے ہے۔ انھوں نے خیال کیا کہ شارع نے معامی سے روکنے کے لئے حدود کا حکم محض اس لئے دیا ہے کہ دنیا میں قائم ہوا اور معاملات درست رہیں۔ پھر انہیں یہ نظر آیا کہ زانی کے لئے جو سزائے جہنم شارع نے مقرر کر رکھی ہے اس سے آج کل اختلاف اور جدال و قتال پیدا ہوتا ہے، جو بدترین فساد ہے۔ یہ سوچ کر انھوں نے

دھم کی سزا کو مجرم کا منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے کی سزا سے بدلہ لینا بہتر سمجھا، اور ایسا کیا بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کو تحریف اور ترک احکام الہی قرار دیا۔

ابن سیرین سے روایت ہے کہ :-

”سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا۔ چاند اور سورج کی پرستش محض قیاس نے کرائی“

امام حسنؒ نے آیت خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَ مِنْ طِينٍ پڑھ کر فرمایا ”یہاں ابلیس نے قیاس کیا تھا

اور وہ سب پہلا قیاس کرنے والا ہے“

امام شعبیؒ سے منقول ہے کہ :-

”قسم خدا کی اگر تم نے قیاس سے کام لیا تو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر کے رہو گے“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :-

”دین چیزیں قصر اسلام کو ڈھادیں گی، ایک عالم کی نفی، دوسری منافق کا فرق ہٹا

تیری گمراہ ائمہ کے احکام“

یہ تمام باتیں اس قیاس کے متعلق ہیں جس کا سرشتہ کتاب و سنت سے نہ ہو، بلکہ محض ہمہ گیری و عقلی ہوا

اتباع اجماع | فتنہ تحریف کا چوتھا ذریعہ اتباع اجماع ہے۔ اجماع سے مراد یہ ہے کہ جاہلین شریعت کا

ایک گروہ، جس کی اصابت رائے پر عام لوگوں کو اعتقاد ہو، کسی چیز پر اتفاق کر لے اور لوگ سمجھیں کہ مجرد اتفاق

ہی حجت شرعی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس قسم کا اتباع اجماع اس وقت تحریف دین کے مترادف ہو جاتا ہے جب

اس اجماع کی اصل کتاب و سنت میں موجود نہ ہو۔ اور یہ وہ اجماع نہیں ہے جس کے حجت ہونے پر امت کا اتفاق

ہے۔ کیونکہ امت کا اتفاق تو اسی اجماع کے اتباع پر ہے جس کی سند کتاب و سنت میں موجود ہو یا جو کتاب و سنت

مستنبط ہو۔ رہا وہ اجماع جس کی اصل نہ قرآن میں ہو نہ حدیث میں، سو اس کو کسی نے بھی حجت نہیں مانا۔ بلکہ اس کے

اتباع کی مذمت میں تو قرآن کہتا ہے کہ وَادَّٰلَیْقِلْ لَهُمْ اٰمُوْا اِنَّا اَنْزَلْنَا اللّٰهَ قَالُوْا بَلِ نَنْتَحِیْ مَا لَاقِبْنَا

عَلَيْهِ اَبْلَغُ نَأْتٍ جب ان سے کہا گیا کہ ایمان لاؤ اس چیز پر جو خدا نے تباری ہے تو انھوں نے کہہ دیا کہ ہم تو اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انکار میں یہود نے جو دلیل پیش کی تھی وہ اسی اتباع اجماع پر مبنی تھی۔ ان کے اسلاف نے بے غم خود ان انبیاء صافین کے حالات کا تفحص کیا اور انہیں نبوت کے معیار پر نہ پایا، لہذا ان کا انکار ہمیشہ کے لئے ایک برہان قاطع بن گیا۔ نصاریٰ کے اندر بھی اسی اتباع اجماع نے بے شمار گمراہیاں پیدا کر رکھی ہیں۔ ان میں توراۃ و انجیل کے خلاف اور ان کے احکام سے زائد صد باتیں شریعت کی حیثیت سے موجود ہیں، جن کے بارے میں ان کے پاس ”اجماع سلف“ کے سوا اور کوئی دلیل نہیں۔

تقلید | پانچواں سرختمہ جہاں سے تحریف دین کا سیلاب بھڑکتا ہے کسی غیر معصوم (غیر نبی)، انسان کی کوثر تقلید ہے۔ یسعی کوئی عالم دین کسی مسئلہ میں اجتہاد کرے اور اس کے مقلدین بغیر دلیل و حجت محض حسن ظن کی بنا پر یہ خیال کریں کہ امام کا اجتہاد قطعاً یا غالباً صحیح ہے، پھر اس خیال کے ماتحت کسی صحیح حدیث کو اس کے اجتہاد سے رد کر دیں۔ تقلید وہ تقلید نہیں ہے جس کے جواز پر امت مرحومہ کا اتفاق ہے۔ امت نے مجتہدین کی تقلید کے جواز پر جو اتفاق کیا ہے وہ چند قیود کے ساتھ ہے۔ اولاً آدمی کو یہ علم و اعتقاد رکھنا چاہئے کہ مجتہد معصوم نہیں ہے، اس کا اجتہاد صحیح بھی ہوتا ہے اور غلط بھی۔ ثانیاً اسے ہمہ وقت ارشاد نبوی کی تلاش میں اس غم کے ساتھ لگا رہنا چاہئے کہ جب بھی کوئی صحیح حدیث اجتہاد امام کے خلاف مل جائے گی تو وہ امام کی تقلید اس مسئلہ میں ترک کر دے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت اِتَّخِذُوا أَحِبَّاءَكُمْ وَرُحَبَاءَكُمْ رُكَبًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ کے متعلق فرمایا کہ یہود اپنے علماء و مشائخ کی پیش نہیں کرتے تھے بلکہ کرتے یہ تھے کہ جس چیز کو یہ لوگ حلال کہہ دیتے اسے وہ بغیر کسی حجت شرعی کو حلال سمجھ لیتے تھے اور جسے یہ حرام کہہ دیتے اسے حرام سمجھ لیتے تھے۔

خط مذہب | دین کے اندر فتنہ تحریف کے گھسنے کا چھٹا راستہ مختلف مذاہب اور شرائع کا باہم اس

طرح خلط ملط کر دینا ہے کہ ایک دوسرے سے تمیز نہ ہو سکے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک آدمی پہلے کسی اور مذہب کا پیروں رہتا ہے اور اس کے دل و دماغ پر اپنی سابق مذہبی سوسائٹی کے علوم و نظریات پوری طرح حاوی ہوتے ہیں۔ پھر وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے لیکن قلب میں اُن پرانے نقوش کا اثر باقی رہتا ہے، انجام کار یہاں بھی وہ ان علوم و نظریات کی توقیر و قبولیت چاہتا ہے خواہ وہ بجا خود کیسے ہی بے جان اور بے اصل ہوں۔ حتیٰ کہ بے اوقات وہ اس کے نئے روایتیں گھڑنے پر اتر آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل برابر راہِ اعتدال پر قائم رہے یہاں تک کہ ان میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جو خالص اسرائیلی نہ تھے (ابا اسرائیلی) تھا اور ماں دوسری قوم سے (یعنی لونڈی زادے تھے۔ ان لوگوں نے دین میں رائے کو دخل دیا۔ یہ ہوا کہ خود گمراہ ہوئے اوروں کو بھی گمراہ کر دیا۔ چنانچہ خود ہمارے دین میں بھی آج بے شمار علوم ہی نوع کے داخل ہو چکے ہیں مثلاً اسرائیلی علوم، خطباء، جاہلیت کے اقوال، یونان کا فلسفہ، ایران کی تاریخ، علم نجوم، رمل اور علم کلام وغیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جب توراة پڑھی گئی تو آپ بہت خفا ہوئے، اس خفگی میں یہی راز تھا۔ نیز کتاب دانیال کے طالب کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وجہ سے سزا دی تھی۔

(ماخوذ از ترجمہ اللہ البانہ)

دلائل السنن والآثار

از

جناب مولانا نجم الدین مصباحی لاجی

(۱)

جس طرح آج کل موجودہ ہر کسی شکمش مسلمانوں کے لئے انتہائی صبر آنا، رفتنے کا باعث ہی طرح اہل علم اور مسلمانوں کے لئے دو اور رفتنے سخت ہیں۔ ایک ”تکفیر و تفسیق“ دوسرا ”انکار حجیت حدیث“۔ اول الذکر کے تعلق ایک مضمون بعنوان ”کفر و ایمان“ رسالہ ترجمان القرآن ماہ شوال ۱۳۵۷ھ میں احتیاط و ذمہ داری و شائع ہو چکا ہے جس میں اہل علم کی تحقیقات جو تمام ترکات و سنت سے ناخود ہیں پیش کر دی گئی ہیں۔ اب و خیر الذکر پر اصولی حثیت سے گفتگو کی جاتی ہے۔ شاید میری یہ کاوش خدا کے نزدیک شرف قبول حاصل کرے اور لوگوں کے لئے مفید ثابت ہو و مَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَیْکُمْ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْکِ اُنِّیْبُ۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ طالب حقیقت کے لئے ہر قدم پر دو شکلیں پیش آتی ہیں۔ ایک طرف تو یہ کہ وہ کسی مسئلہ کو غصہ اسلئے کہ فلاں شخص نے کہا ہے صحیح نہیں مانتا بلکہ بڑے بڑے عالم کی رائے کا غلط ہونا ممکن سمجھتا ہے دوسری طرف اُمہ کی رایوں کو بغیر کامل غور کے غلط سمجھنا خود نہایت خطرناک ہے جس میں کسی امام غلطی کی ہے اس میں طالب حقیقت بھی ممکن ہے کہ غلطی کر جائے اور بڑے بڑی غلطی یہ ہوگی کہ صحیح رائے موجود ہونے کے ساتھ اس کے نہ سمجھنے کی وجہ سے غلطی میں پڑے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ چراغ ہوتے ہوئے آدمی اپنی غفلت سے ٹھوکر کھائے۔ حضرت امام غزالی کا یہ قول کس قدر ٹھیک اور نصیحت بخش ہے کہ جس نے شک نہیں کیا وہ تحقیق

نہیں کرے گا اور جو تحقیق نہیں کرے گا وہ ہمیشہ اندھا رہے گا۔ اسی اندھے پن کے دور ہونے کا نام بصیرت نقیض (ایمان، ایقان، کشف غطاء، اطمینان قلب اور تلخ صدر و علم و معرفت ہے۔ بلاشبہ شک کی تہ میں دو چڑھتے ہیں جو تحقیق کی بنیاد ہیں، تہل اور اس کی ناگواری۔ جب انسان اپنے تقلیدی علم کی بے حقیقتی کو سمجھتا ہو تو وہ علم اس کو جہل معلوم ہوتا ہے۔ وہ اپنے علم کو علم نہیں سمجھتا، اور جب اس پر یہ حالت پوری طرح طاری ہو جاتی ہے تو طبیعت فطرتاً علم کی خواہش مند ہوتی ہے۔ پس طالب حقیقت کو ایک طرف آزادی اور دوسری طرف وقعت رائے سلف کا خیال رکھ کر قدم رکھنا ہوتا ہے چونکہ یہ دونوں پہلو مخالفت کی راہ ہیں لہذا اگر ایک طرف اس نے زیادتی کی تو دوسری طرف کمی کر دے گا یہی خیال کا اثر تھا اس شخص پر جس نے یہ کہا ہے کہ۔

مرا د خضر عناں گیر باید از چپ و راست کہ کج روی نہ کنم ورنہ غم راہ خطا است
 پس کسی حکیم و امام کی ایسی رائے کے متعلق جو بادی النظر میں غلط معلوم ہوتی ہو زیادہ غور و فکر کی ضرورت ہے اور سخت احتیاط درکار ہے۔ بالخصوص ایسے مسائل میں جو معرکہ الارادہ سے ہیں ورنہ طالب سلف سے فائدہ نہیں اٹھا سکے گا اور آزادی اس کو اس سے زیادہ سطحی بنادے گی جتنا تقلید سے ڈرے ممکن ہے کہ اس آزادی اور حریت بلکہ نام نہاد تحقیق کے زمانہ میں کسی کو وقعت رائے سلف کے حلقہ سے اختلاف ہو سو اس کو قرآن حکیم میں سورہ حشر کی دسویں آیت وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخِفْنَا كَمَا أَخِفْنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ الخ پر غور کرنا چاہئے جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ جو پہلے جہن و انصار کے بعد عالم وجود میں آئے وہ سابقین کے لئے دعا و مغفرت کرتے ہیں اور کسی مسلمان بھائی کی طرف سے دل میں عداوت اور بغض نہیں رکھتے بلکہ ظنوا المؤمنین خیرا علیکم کہ ہوتے ہیں۔

لیکن آج یہ عالم ہے کہ بلا سوچے سمجھے سب پہلے سلف کی خدمات اور ان کی جدوجہد و ناکامیوں کو

وحمیر العقول علی وعلی کارناموں پر تیشہ چلا دیا جاتا ہے۔ میرے نزدیک یہ وبادو طرح سے پھیلی۔ ایک تعلیم قرآن کی کمی، احادیث نبوی سے بے اعتنائی اور ان کے تراجم کی کثرت۔ دوسرے ایک عمدہ و نصاب تعلیم اور انگریزی تمدن تہذیب کی تقلید وغیرہ۔ یقیناً ترجمین کی نیتیں صالح اور مفاد مند تھیں لیکن اس کا دوسرا رخ نہایت خطرناک تھا جس کا تجربہ و مشاہدہ آج ہر قدم پر مہر ہا ہے۔ ہاں یہ بات خیال میں رکھنی چاہئے کہ مروجہ نصاب تعلیم جس میں زیادہ تر جماعتی بصیرت کے تحت تعلیم دی جاتی ہے اس سے نہ تو تحقیق کا دروازہ کھل سکتا ہے اور نہ اجتہاد اور نقد فی الدین کا کلک پیدا ہوتا ہے۔ اگر بھی ہوتا تو پھر حضرت عبداللہ بن عمر کو ۷ سال تک صرف سورہ بقرہ کے حقائق و معارف بارگاہ رسالت میں نہ حل کرنے پڑتے، نہ حضرت جابر بن جبرئیل کو تین بار تفسیر قرآن حضرت عبداللہ بن مسعود سے پڑھنے کی نوبت آتی، نہ ابو محمد عبداللہ بن عطیہ الدمشقی سلمہ کو قرآن کے انہام و تفہیم کیلئے ۵۰ ہزار اشعار حفظ کرنے پڑتے، اور نہ امام ابن تیمیہ کو ایک ایک آیت قرآن پر سو سو تفسیریں دیکھنی پڑتیں اور پھر متروک وغیرہ آباد مجد میں جا کر بارگاہ رب العزت میں ”یلس رب ابراہیم فہنی“ کی دعائیں مانگنی پڑتیں اور اس وقت تک یہ مشغلہ جاری رہتا جب تک کہ شرح صدر نصیب نہ ہو جاتا، نہ حضرت شاہ عبدالقادر کو ۲۴ سال مسجد میں مشغول رہ کر درس و تدریس کلام الہی میں بسر کرنے کی ضرورت تھی، نہ اسناد امام علامہ فراہی کو ۳۰۔۴۰ سال اس سیلے مقصود کی طلب میں دل و دماغ کو محو کر دینا پڑتا۔

بلاریب وسائل و ذرائع اور علوم الہیہ کی تحصیل کے بعد افہام و تفہیم کلام الہی کا واحد ذریعہ اگر کوئی چیز ہے تو وہ تزکیہ نفس اور فیضان الہی ہے۔ اسی حقیقت کی جانب حضرت علامہ اقبالؒ اشارہ فرماتے ہیں:-

ترے ضمیر یہ جب تک نہ ہو نزول کتاب گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کثافات

آنحضرت صلی علیہ وسلم کی صفت قرآن نے جا بجا یہ بیان کی ہے، يَتْلُوْا عَلَیْكُمْ هٰذَا آیٰتِہٖ وَّیَنْکِتُہُمْ وَّیُعَلِّمُہُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ۔ یہ تلاوت آیات، تزکیہ نفس اور تعلیم کتاب و حکمت پر بھی کبھی غور

کیا گیا ہے؟ اس کا جواب خود شیخ نبوت کے پروانوں کی زبانوں سے سنئے۔

حرف از زبان دوست شنیدن چہ گوئی یا از زبان انکے شنیدن از زبان دوست
حضرت ابو عبد الرحمن سلطی صحابہ کرام کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلعم سے قرآن مجید کی
دس دس آیات پڑھا کرتے تھے۔ الفاظ کے ساتھ عمل کا طریقہ بھی سیکھتے جاتے۔ جب ہم قرآن کا ایک حصہ
ختم کرتے تو الفاظ و معانی کے ساتھ اس کے طریق عمل سے بھی واقف ہوتے جاتے حضرت عمر بن الخطابؓ
فرماتے تھے کاش میں تین باتوں کی بابت تفصیلی معلومات آپؐ سے حاصل کر لیتا کہ آپؐ ہمیں فیصلہ کن مطالب
دیتے۔ آؤ اکی میراث کا مسئلہ، کالہ اور چندہ، سائل ربوا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں خدا کی قسم
قرآن کی کوئی سورت ایسی نہیں جس کے متعلق مجھے یہ علم نہ ہو کہ کہاں اتری اور کس کے متعلق۔ اگر مجھے یہ علم ہو جا
کہ مجھ سے زیادہ کسی کو قرآن کا علم ہے اور سواری وہاں تک پہنچ سکے تو یقیناً اس کے پاس جا کر علم قرآن
حاصل کروں۔ تمام صحابہ اس سے بخوبی واقف ہیں کہ میں سب سے قرآن کی بات زیادہ واقف ہوں حالانکہ
میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ جبرائیلؑ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے متعلق تو پوچھنا نہیں کیونکہ یہاں تو ملکوتی
تائید اللہ علیہ الکتاب حاصل تھی۔ ان واقعات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آج کا ادعا علم قرآن
اس درجہ کے مقابل قطرہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ بلاشبہ آج وسائل و ذرائع کی فراوانی ہے تحصیل علم
و فنون کے لئے ہوشواریاں اگلوں کو تھیں وہ اب باقی نہیں رہیں۔ تاہم بارگاہ رسالت سے بواسطہ
بلا واسطہ فیض پائے والوں کی ہمہری کا دعویٰ کون کر سکتا ہے؟ کہ یہاں تو فاضل احمد ابراہیمؒ اقامۃ قلوبہ
واعحقہما علما و اقلہما انکلفا۔ اور شہداء اللہ علی الناس کی سند حاصل ہو چکی تھی۔

بہت ممکن ہے کہ کسی کو ہمہری اس بات سے یہ گمان ہو کہ میں تفسیر کی ہر س روایت کو صحیح سمجھتا ہوں جو
بطریق حدیثنا و خبرنا ابن جریر و درمنثور وغیرہ میں موجود ہے۔ سو میرا یہ خیال ہرگز نہیں ہے، اور یہ بھی

ابن جریر رحمہ بخاری و مسلم

نہیں ہے کہ تمام کو ترک کر کے، خوش ساختہ اصول کے ماتحت قرآن حکیم کے افہام تفہیم کے صد باحقاق و معارف کو چھوڑ کر سلف کے طریق تفسیر کو بے معنی یقین کر لوں کیونکہ مجھے علم ہے کہ تفسیری روایتوں میں سب سے زیادہ کمزور اور غلط طریق تفسیر بکلی ابوالنصر محمد بن سائب کا ہے اور اگر محمد بن مروان صدی صغیر کی روایت کو شامل کر لیا جائے تو یہ سلسلہ پورا کا پورا سلسلہ کذب بن جاتا ہے۔ اسی طرح طریق مقابل بن سلیمان ازدی اور ضحاک بھی منقطع ہے۔ بے شک طریق قیس بن مسلم کو فی جو عطاء بن سائب سے روایت کرتے ہیں اور طریق ابن اسحق حبید اور صحیح ہیں۔ صحابہ میں جن سے تفسیری روایتیں کم ہیں وہ انس بن مالکؓ، ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، جابر بن عبد اللہؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، زید بن ثابتؓ کا تب و صحابی ہیں۔ تابعین میں اصحاب عبداللہ بن عباسؓ یعنی عطاءؓ مکہ مکرمہ میں جن میں مجاہد بن جبرؓ المتوفی سنہ ۱۰۰ھ کی تفسیر پر امام شافعیؒ اور امام بخاری وغیرہ نے اعتماد کیا ہے۔ علامہ ابن جوزیؒ اور سیوطیؒ وغیرہ نے طبقات مفسرین میں حقیقت بالا کا ذکر کیا ہے جس سے میرے بیان کی تائید ہوتی ہے جو اہل علم پر مخفی نہیں۔

قرآن حکیم نے مختلف مقامات پر تدبر و تفکر کی جو ترغیب دلائی ہے سو اس کا یہ مقصد نہیں کہ علوم الہیہ اور نبویہ، و اشارات سلف کو ترک کرتے ہوئے حسینا کتاب اللہ کی آڑ میں اپنے امور و خواہشات کے ماتحت قرآن کی تفسیر شروع کر دی جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہدایت کے بجائے ضلالت کی نشر و اشاعت ہوگی اور شاید اسی لئے قرآن نے بھی یُضِلُّ بِہِ کَثِیْرًا اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور شارع علیہ السلام نے اس کی تشریح میں قال فی القرآن برأیہ الخ سے فرما کر ہمیشہ کے لئے اس خطرے کا سد باب کر دیا ہے۔

مجھے اس وقت اصول تاویل پر گفتگو کرنی نہیں ہے تفصیل کے لئے فوز الکبیر وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے۔ مختصر یہ مد نظر رکھنا چاہئے کہ قرآن کی تفسیر جہاں تک ممکن ہو قرآن کی دوسری آیات سے کرنی چاہئے۔ پھر نظم کلام، سیاق و سباق آیات، شواہد کلام عرب، لہسن و اشارہ نبویہ، اور طریق تفسیر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ماتحت مفہوم کلام الہی کا سراغ لگایا جائے۔ اور قرآن حکیم کو صل قرار دیتے ہوئے تاریخی شواہد کے لئے اگر اسفار یہود سے بھی مدد لی جائے تو چند ان مضائقہ نہیں۔ بہر حال ان سب میں مقدم ترین اصول تحصیل زبان عربی کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفس اور تہذیب و فکر آیات انفس و آفاق ہے جس کے بغیر نحو و بلاغت قرآن اور روح و اسرار کلام الہی سمجھنا دشوار ہے۔

سلسلہ خلاف امید دراز ہو گیا اور بات سے بات نکل آئی۔ یہاں مجھ جس چیز پر کسی قدر مفصل کلام کرنا ہے وہ سنن و آثار نبوی علیہ الصلوٰۃ و التسلیم ہیں۔ اگرچہ سلف اور علمائے دور حاضر نے اس کے اصول و قوانین، نوعیت و حیثیت اور محبت دینی ہونے یا نہ ہونے پر کافی سے زیادہ بحثیں فرمائی ہیں اور داد تحقیق دی ہے جو اپنی جگہ پر براہین قاطعہ ہیں لیکن افسوس مخالفین نے سطحی معلومات سے کام لے کر عوام میں سنن و آثار نبوی سے بذاتی پیدا کر ہی دی جو تمام تر غلط فہمی و قلت مطالعہ پر مبنی ہے، ورنہ اصول حدیث کے مالہ و اعلیہ کے سمجھ لینے کے بعد وہ جرأت نہیں ہو سکتی جو موجودہ عہد تحقیق میں کی جا رہی ہے۔ یہ ناچیز کوئی نئی بات نہیں پیش کرے گا بلکہ اہل علم کی ان تحقیقات کو سامنے لائے گا جو معرض خفا میں ہیں، تاکہ فیصلہ کرنے میں حق و باطل کی تمیز ہو سکے۔ (السعی منی ولا غنا من اللہ تعالیٰ)۔

اصول حدیث | یہ ایک تاریخی بات ہے کہ حضرت امام شافعی نے سب سے پہلے اصول فقہ میں ایک سلسلہ لکھا اور اصول حدیث میں ابتداء قاضی ابو محمد رامہرمزی اور حاکم ابو عبد اللہ منشا پوری کی۔ پھر تو یہ قطرہ دریابن گیا۔ مگر ان سب کا ماخذ قرآن کریم اور سنن و آثار نبوی ہی تھو جس کو غلطی سے آج کچھ اور ہی سمجھ لیا گیا ہے۔ سب سے بڑی خصوصیت اس فن کو یہ حاصل ہے کہ اس کے اندر اجتہاد، ظن اور تخمین کو قطعاً بار پائی نہیں بلکہ یا تو مشاہدات ہیں یا مسموعات وغیرہ تفصیلی بحث آگے آئے گی جس سے معلوم ہوگا کہ محدثین الفاظ جرح و تعدیل جو کچھ بیان فرماتے ہیں سب کی بنیاد محسوس مشاہدہ اور کئی نصی امر پر ہے نہ کہ رائے و قیاس پر۔ ثبوت میں ذیل کے شواہد کو بغور ملاحظہ کیا جائے کہ یہی اصول حدیث کی

اساس اور بنیاد ہیں۔

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا

لفظ فسق باصطلاح قرآن متعدد معنوں میں مستعمل ہے۔ آیات ذیل پر غور کیا جائے: اَفْتَمَنَ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَن كَانَ فَاسِقًا۔ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ۔ فَفَسَقُوا فِيهَا۔ فَأَفْرَقَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْفُجُورِ الْفَاسِقِينَ۔ وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔ إِنَّ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ۔ فَلَا تَنفَكُوا وَلَاسِيئَةَ وَلَا حِجَدًا لَّ فِي الْحَجَّةِ۔

احادیث میں بھی یہ لفظ آیات ہے۔ سیباب المؤمن فسوق۔ اقتلوا الفولسقة۔

الایرحی رجل رجلا بالفسق او الکفر۔ ابل عرب کا قول ہے فسق الرطب اذا خرج عن قشره یعنی خرے کا چھلکے سے علیحدہ ہو جانا چنانچہ ابن الاعرابی کہتا ہے کہ فسق کا لفظ انسان کی صفت میں کلام عرب میں نہیں پایا جاتا ہے۔ بہر حال ارباب لغت وغیرہ نے فسق فلان خروج عن حجر الشرج“ الترتیب لامر الله“ الخروج عن طریق الحق“ من یستدرعنا الله فقد خرج عن طاعته وغیرہ کے الفاظ جو استعمال فرمائے ہیں اس کی اصلیت کلام عرب اور لفظ کے اصلی معنی سے ناخود ہے۔ رہ گیا مفہوم آیت اِنَّ جَاءَكُمْ الْخَسُوفُ یہ ہے کہ اکثر نزاعات و مناقشات کی ابتدا جو ٹوٹی خبروں سے ہوتی ہے اس لئے اول اختلاف و تفریق کے اسی سرشتیہ کو بند کرنے کی تعلیم دی یعنی کسی خبر کو یوں ہی بے تحقیق قبول نہ کرنا چاہئے۔ امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں اس آیت کو بھی ذکر فرما کر یہ عبارت تحریر فرمائی ہے: فدل بما ذكرنا من هذه الايات ان خبر الفاسق ساقط غيب ومقبول وان شهادة غير العدل مردودة۔ مفہوم انج ہے۔ مگر حافظ ابن تیمیہ کی تقریر ذیل پڑھ کر تھوڑی سی الجھن بڑھ گئی ”بأن الفاسق ليس بمردود“

..... وانما امر بالتبيين عند خبر الفاسق الواحد ولم يامر به
عند خبر الفاسقين وذلك ان خبر الاثنين يوجب من الاعتقاد مالا
يوجب خبر الواحد الخ (توجیه النظر صفحہ ۲۹)

بظاہر یہ تقریر قدما و محدثین کے خلاف ہے۔ غالباً اس خلاف کی وجہ یہ ہے کہ آیت اِنْ جَاءَكَ
فَاسِقٌ اَخٌ تَاوِيل علامہ موصوف کے نزدیک اور ہے اور محدثین کے نزدیک اور۔ خیر امام ابن تیمیہ
کا جو بھی منشا ہو میرے نزدیک صحیح توجیہ یہ ہے کہ خبر فاسق نقل روایت حدیثیں سر سے غیر مقبول نہ
چاہے سامع کے دل میں اس کی صداقت پیدا ہو یا نہ ہو۔ وجہ یہ ہے کہ خبر تو محض ترجیح صدق ہی کی بنا پر حجت
ہوتی ہے بخلاف فسق کے کہ اس سے ترجیح صدق کا قلع بھجواتا ہے اور کذب ہی کا پہلو رائج قرار پاتا ہے۔
اس پر دلیل یہ ہے کہ جب عقل اور دین نے اس کو ارتکاب گناہ سے باز نہیں رکھا تو پھر چھوٹ سے کیسے بچ
سکتا ہے۔ بدیں وجہ فاسق کی خبر قطعاً حجت نہ ہونی چاہئے۔ ہاں اگر وہ صلت و حرمت طعام یا پانی کی نجاست
و عدم نجاست کی خبر دے تو اس وقت قبول ہوگی جبکہ اس کی تائید زبردست رائے ہوتی ہو۔ وجہ یہ ہے کہ
کہ صلت و حرمت، نجاست و طہارت ایک امر خاص ہے بمقابل روایت حدیث کے، کیونکہ خبر کے متعلق باوقاف
ایسی دشواریاں لاحق ہوتی ہیں کہ اس پر وقوف و اطلاع پانا متعذر ہوتا ہے۔ اسی لئے جب تک دوسرے قرائن
اور شواہد سے تائید نہ ہو قبول نہیں کی جا سکتی وغیرہ وغیرہ۔ اور روایت حدیث میں اس کی ضرورت نہیں کیونکہ یہاں
تو عادل اور ثقہ نے تلقی اور نقل اخبار ایسے لوگوں سے کی ہے جن کو معرفت حدیث پر سماعاً پوری اطلاع حاصل ہو لہذا
ان کو فاسق کی خبر پر اعتماد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس تقریر سے یہ واضح ہو گیا کہ عام خبریں اور شہادتیں
دوسری چیز ہیں اور روایت حدیث امر دیگر۔ لہذا علامہ موصوف کی تقریر کو ان امور اور اخبار پر محمول کیا جا گا
جن کا روایت حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ذیل اور شہادت کا فرق | اس موقع پر روایت اور شہادت کے فرق کو سمجھ لینا چاہئے جس سے صدامتکلات

کام حاصل ہو جاتا ہے اور جس میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے بہتوں نے ٹھوکریں کھائی ہیں۔ علامہ سیوطیؒ نے تدریس میں مفصلاً اور حافظ ابن قیمؒ نے بذائع النوائد میں مجملہً بحثیں کر کے شہادت اور روایت کے فرق کو واضح کیا ہے۔ ہر کتاب کی جانب رجوع کرنا چاہئے۔ مباحث علم حدیث کے سمجھنے کے لئے چند اصولی فروق کو یہاں لکھا جاتا ہے:-

روایت نام ہے عام لوگوں کو خبر دینے کا کہ جس کا مرفوعہ حکام کی طرف نہ کیا جاسکے۔ بخلاف شہادت کے کہ اس میں یہ بات نہیں ہوتی اور اسی بنا پر احکامات میں آگے چل کر اختلاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح روایت میں عدد شرط نہیں ہے اور شہادت میں یہ بحث پیدا ہوتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سواد امت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کبھی جھوٹ کی نسبت نہیں کر سکتی کیونکہ اسے ہر طرح کا خوف اور خطرہ ہے جو دارین کی ہلاکت و تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ بخلاف شہادت کے کہ دن دھارے جھوٹی گواہی لوگ دیتے رہتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کبھی راوی منفرد ہوتا ہے۔ اگر ایسی حالت میں روایت قبول نہ کی جائے تو اہل اسلام کی مصائبیں فوت ہو جائیں بمقابل اس بات کے کہ ایک شخص کا حق ایک شخص کی وجہ سے ضائع ہو جائے تو چنداں مضائقہ نہیں۔ نیز یہ وجہ بھی ہے کہ لوگوں میں باہم عداوتوں کی بنا پر جھوٹی گواہی دینے کا جذبہ پیدا ہوتا رہتا ہے نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ روایت کرنا وغیرہ۔ روایت میں ذکر و ریت شرط نہیں ہے بخلاف شہادت کے کہ اس میں

لے ترجمان القرآن - یہ حجت محل نظر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ امت کا سوا عظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھنے کا خیال بھی نہیں کر سکتا۔ مگر احاد امت ایسا کیا ہے اور امت اکثر دھوکا بھی کھایا ہے۔ اعداؤں کو خیر قصد اشراکیت کی نیت سے حدیثیں گھڑیں، مگر کیا واعظوں اور راہبوں نے موضوعات و مضامین کو تکیہ کلام نہیں بنایا؟ اور کیا ان حضرات کے اعتقاد پر غیر معتبر روایتیں عامہ ان س کے زبان زد نہیں ہوئیں؟ اسی بنا پر تو محدثین نے روایات کی چھ بین میں اس سے زیادہ سختی کی ہے جس قدر قانون شہادت کی رو سے قاضی کرتا ہے۔ اور اسی بنا پر اخبار احاد کا حدیث میں وہ درجہ نہیں جو مشہورات کا ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ خبر واحد کو محض خبر واحد ہونے کی وجہ سے رد نہیں کر دیا گیا، بلکہ راویوں کے احوال اور سلسلہ اسناد کی کیفیت کو دیکھ کر رائے قائم کی گئی ہے جو سراسر معقول ہے۔

بعض مواقع میں ذکوریت شرط ہے۔ اسی طرح جھوٹ سے تو بہ کرنے والے کی شہادت مقبول ہے لیکن روائے غیر مقبول۔ اگر کوئی ایک روایت میں جھوٹا ثابت ہو گیا تو اس کی جمیع روایات غیر مقبول ہو جاتی ہیں۔ بخلاف شہادت کے کہ اگر ایک مرتبہ جھوٹی معلوم ہو جائے تو اس سے پہلے کی شہادتیں، وہ نہیں کی جائیں۔ اہل علم پر مخفی نہیں کہ صحیح مذہب کی بنا پر تنہا ایک شخص کی جرح و تعدیل روایت میں معتبر ہو جاتی ہے نہ کہ شہادت اور گواہی۔ غور کرو اگر کسی نے روایت کی اور پھر اس سے رجوع کر لیا تو روایت اور عمل دونوں ساقط ہو جائیں گے۔ شہادت میں یہ بات نہیں ہوتی ہے۔ یہاں تو حکم کے بعد رجوع کر ہی نہیں کر سکتا۔ اس فرق کو سمجھو تا کہ فہم حدیث کی اہمیت کا اندازہ ہو اور آنے والے مباحث کے بیچ دھم ایک ایک کر کے واضح ہو جائیں۔

(۲) یَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ ۖ وَاشْهَدُوا ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ ۚ لَفْظِ عَدْلٍ کی لغوی تحقیق طویل ہے۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ مختلف مقامات پر بیان ہوا ہے۔ سورہ مائدہ کی ایک آیت میں یہ لفظ دو جگہ موجود ہے۔ یَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ ۚ هَذَآ بَابُ الْعُقُوبَةِ ۚ اَوْ اَمَّا رَدُّ طَعَامٍ ۚ مَلَٰئِكُیْنَ اَوْ عَدْلٍ ۚ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّرِ ۚ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عبادات ہوں خواہ معاملات، اخلاقیات ہوں خواہ سیاسیات، مذہب سب کا ضامن اور قرآن مجید ہے۔ قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ تم میں سے وہ لوگ ایسے امور میں فیصلہ کریں جو صاحب بصیرت، معتبر، اور تجربہ کار ہوں کیونکہ یہ چیزیں ایسی ہیں جن سے ایک شخص کے کیر کڑ کی بلندی، صداقت اور اس کے عادل ہونے کی شہادت کی جاسکتی ہے، جو عند اللہ معتبر ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ عند الناس معتبر نہ ہو۔ ہاں بعضوں کو یہ طالب علمانہ شبہ کہ ہو سکتا ہے کہ متقی اور عادل وغیرہ ہونا اوصاف باطنی ہیں، اس کی تیز کس چیز پر رکھی جائے؟ رہا ظاہری تقویٰ و طہارت تو اس کی بابت خود محمدین کو تلخ تجربہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ آیات بالا کے عموم سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ظاہر پر حکم نہ دینا اور باطن پر معلق رکھنا تکلیف مالاطلاق ہے۔ لَٰكُلِّكُم

اللّٰهُ نَفْسًا اَكَا وَسَعَةً۔ پھر کیا یہ حکم مصلحت و حکمت خداوندی کے خلاف نہیں ہے؟ خدا تو حکم دیتا ہے کہ تم میں سے دو عادل شخص اس پر حکم لگائیں۔ اب کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ عدالت کا علم نہیں ہو سکتا لہذا خدا کا یہ حکم نفوذ باللہ بے معنی اور لائق اعتماد نہیں ہے؟ کیا آیات مذکور میں محض تصرف باطنی کا حکم ہے یا محض ظاہر بینی کا؟ خوب غور کر لیا جائے تاکہ بچے حکم دے دے و اعذرلے مِّنْكُمْ کا مفہوم واضح ہو جائے۔ بخاری میں ہے عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ سَعْدِ بْنِ وَقَاصٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّيْهِمُ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْخَفِيِّينَ وَإِنْ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو سَأَلَ عُمَرَ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ نَعَمْ إِذَا أَحَدُ ثَلَاثٍ شَيْئًا سَعِدَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّيْهِمُ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرُهُ نَزِيهَةٌ قِيٌّ فِي دُخُلِ مِثْلِ حَضْرَةِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ سَعِدَ عَنِ مَوْفُوعًا أَوْ مَوْفُورًا أَيْتِ كَيْفَ لَاتَاخُذَ وَالْعِلْمُ لَا مِمَّنْ تَقْبَلُونَ شَهَادَتَهُ وَرَوَى الْإِيضَامَنُ طَرِيقَ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عَمْرٍو عَنْ عُمَرَ قَالَ كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ لَا نَأْخُذَ إِلَّا عَنْ ثِقَةٍ۔

لفظ ثقہ کوئی غیر مانوس لفظ نہیں ہے، بلکہ اس کی اصل کلام عرب میں پائی جاتی ہے۔ زیر کہتا ہے:-
اخْتِ ثِقَةً۔ سَلَكَ الْخِزْمَ مَالًا۔ وَلَكِنَّهُ قَدْ يَهْلِكُ الْمَالُ نَائِلَهُ
اس کی جمع ثقات وغیرہ آتی ہے یعنی قابل اعتبار و یانت دار اور معتبر لوگ۔ لہذا سمجھ لینا چاہئے کہ حدیثیں
جب اس لفظ کو بولتے ہیں تو تنہا یہ لفظ قبول روایت کے لئے کافی ہوتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا وصف ہے
کہ دنیا میں خبروں کے رد و قبول کے لئے ہر جگہ مسلم ہے، اسی وصف کو ہر شخص ہر خبر دینے والے میں دیکھتا ہے
اور عرفا اس کے مفہوم کو بھی جانتا ہے۔ مگر کسی قوم نے مسلمانوں سے بڑھ کر اس کا عملاً لحاظ نہیں کیا چنانچہ
علامہ ابن حزم بالکل صحیح فرماتے ہیں:-

”نَقَلَ الثَّقَّةُ عَنِ الثَّقَّةِ حَتَّى تَبْلُغَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّيْهِمُ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْإِنْقِصَالَ خَصَّ اللَّهُ بِهِ الْمُسْلِمِينَ
دُونَ سَائِرِ الْمَلَلِ“

خلاصہ یہ ہے کہ حدیثیں جب لفظ عدالت بولتے ہیں تو اس کے متداول معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ صرف

عدالت فی روایت الحدیث مراد موتی ہے۔ اور اس عدالت کی حقیقت روایات میں اجتناب عن الکذب شاید کسی کو شبہ ہو کہ راویوں کو سچا سمجھنا تو خود محدثین کی رائے ہے جو محض ظنی اور اجتہادی چیز ہے۔ سو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ شخص عادل و ضابط کے بیان پر وثوق کرنا اور سچا سمجھنا تو نفسی اور اتفاقی مسئلہ ہے صرف اہل اسلام کا نہیں بلکہ تمام دنیا کا۔ گواہ عادل کی گواہی پر حکم لگانا، نفسی اور اتفاقی بات ہے۔

نصوص نیل پر ایک اجمالی نظر (۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا خَرَجْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَعَتَيْنَا،

(۴) لِيَمُنَّ تَرْضُونَ مِنَ الشَّهَادَةِ (۵) وَلَوْ لَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ

بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ (۶) وَلَوْ لَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ

لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ (۷) نَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ

(۸) لَقَدْ كَانَ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۹) وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْسُكُونَ

عَلَى الْأَرْحَامِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا (۱۰) كَفَى بِالْمُرْكَبِ بَأْسًا

أَنْ يَجِدَ نَارًا بِكُلِّ مَأْمَعٍ (۱۱) مَنْ كَذَبَ عَلَى مَنَعِمًا فَلْيَتَبَوَّعْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

(۱۲) نَضَرَ اللَّهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَاتِي فَوَعَاها وَاوَادَهَا (۱۳) مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلْيَیْسَ مِنِّي

(۱۴) لِيَبْلُغَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ (۱۵) احْبَعُوا إِلَى أَهْلِكُمْ فَعَامُوهُمْ (۱۶) صَلُّوا كَمَا

رَأَيْتُمُونِي أَصْلَى (۱۷) بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً وَحَدَّثُوا عَنِ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَلَا حُجْرَ (۱۸)

مَنْ حَدَّثَ عَنْهُ بِحَدِيثٍ يَرَى أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِينَ

ان نصوص پر غور کرنے اور ان کے سریع اور لطیف اشارات کو مد نظر رکھنے سے مندرجہ ذیل باتیں

بادنی تامل سامنے آ جاتی ہیں،

(۱) قرآن حکیم کے حکم و ذکرِ کرمِ باریاں اللہ وغیرہ آیات نے مسلمانوں کو فنِ حدیث کی طرف متوجہ

کیا اور لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ نے آتشِ بروغن کا کام دیا۔

(۲) نصوص بالا ہی نے مجبور کیا کہ سنن اثنابوی کے تحفظ کے اصول تو ان میں مرتب و منظم شکل میں پیش کئے جائیں جو ذریعہ ہوں آنحضرت صلیع کے اقوال و افعال کے تحفظ کا۔

(۳) قانون تنقید کی ایجاد، احکامات اور فضائل و ہدایات جن کو آنحضرت صلیع نے وقتاً فوقتاً ارشاد فرمایا تھا اور جو درحقیقت انہیں نصوص بالا کی تفسیر ہیں، ان کو بقا اور دوام حاصل ہونا۔

(۴) آنحضرت صلیع کے ساتھ صحابہ کی محبت، ان کا اخلاص اور جوش فدویت و خشع جس نے اصحاب رسول اللہ صلیع کو آنحضرت صلیع کی ہر ادا کا شیدنا بنا دیا تھا۔ اس لئے ضرورت دعی ہوئی کہ متعل قوانین و اصول کے ماتحت آمدہ تحریف اور تصحیف سے آپ کے ارشادات کو پاک رکھا جائے۔

(۵) محدثین نے رواۃ کی نسبت جو کچھ الفاظ جرح و تعدیل بیان فرمائے ہیں تمام کی بنا اس اور مشاہدہ ہے نہ کرائے و قیاس۔ بلکہ زیادہ تجربیات ہیں۔ قرآن نے خود تجربہ کے لئے امارات بتائے، چنانچہ آیت^۹ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز حسی اور مشاہدات سے ہے۔ غرض جو کچھ ثقاہت و عدالت کی نشانیاں قرآن میں بتائی گئی ہیں یا احادیث میں لڑھکی ہیں وہ سب حسی اور مشاہدات سے ہیں۔ پس ان امارات و علامات سے ثقاہت و عدالت ثابت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ نفسی امر ہے۔ ان امارات ثقاہت و عدالت کے سوا عدم ظہور فرق اور غیر متبہ ہونا ان امارات کا موثق اور صدق ہے۔ راوی اور مروی عنہ کی معاشرت، ان کا آپس میں لقا، سماع، یہ سب امور سموعات یا مشاہدات سے ہیں۔ دو شخصوں کی معاشرت یا آپس کے ملنے اور سماع کو شخص حاضر فدیت و مشاہدہ سے جانتا ہے۔ غائب حاضر کی شہادت سے جان سکتا ہے۔ رواۃ کا ثقہ ہونا حاضرین کو ملاقات اور تجربہ سے معلوم ہوتا ہے اور غائبین کو ان کی شہادت اور ان کے درمیان شہرت سے۔ پس کسی محدث کا کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف یا موضوع وغیرہ کہنا مسائل اجتہادیہ میں دخل نہیں ہو سکتا۔ فقہ اپنی رائے و قیاس پر خود لیا اعتماد نہیں رکھتا کہ حتمی حکم لگائے اور عمل کرنا واجب قرار دے۔ بخلاف محدثین کے کہ وہاں روایت کے صحیح ثابت ہو جانے پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے انھم اتفقوا علی وجہ

العمل بكل ما صح، یعنی تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ جو حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کو پہنچ جائے گی اس پر عمل واجب ہوگا۔

یہ ایک اجماعی نقشہ تھا جو پیش کیا گیا۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں انصاف سے اصول حدیث اور قواعد روایت استنباط فرمائے۔ احادیث کی تحقیق و تنقید اور فن جرح و تعدیل کی ایجاب و حصر غرض فاروق نے کی ہے۔

واقعات ذیل پر غور کیا جائے :-

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ایک مرتبہ آپؐ کے لئے آئے اور میں دفعہ استیذان کے قاعدہ پر سلام علیکم فرمایا حضرت عمرؓ اس وقت کسی کام میں مصروف تھے اس لئے متوجہ نہ ہوئے۔ کام سے فارغ ہو چکے کے بعد فرمایا کہ ابو موسیٰ کہاں ہیں؟ وہ آئے تو فرمایا کہ کیوں واپس گئے؟ ابو موسیٰ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تین مرتبہ اذن مانگو، اگر اس پر بھی اجازت نہ ملے تو واپس جاؤ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو درجہ میں سزا دوں گا۔ ابو موسیٰ اشعریؓ گھبرائے ہوئے صحابہ کے پاس گئے اور نفس واقعہ بیان کیا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ نے اگر تصدیق کی کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے۔ ابی بن کعبؓ نے فرمایا عمرؓ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو عذاب دینا چاہتے ہو؟ فرمایا میں نے ایک روایت سنی اور اس کی تصدیق کرنی چاہی۔ چنانچہ جب سقوط کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ طلب کیا یغز بن شعبہؓ اس کے متعلق ایک حدیث روایت کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم سچے ہو تو اور کوئی گواہ لاؤ۔ جب محمد بن سلمہؓ نے تصدیق کی تب حضرت عمرؓ نے تسلیم کیا۔ اسی طرح حضرت عباسؓ کے مقدمہ میں ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمرؓ نے تائیدی شہادت طلب کی۔ لوگوں نے شہادت دی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھ کو تمہاری نسبت بگمانی نہ تھی لیکن میں نے حدیث کے متعلق اطمینان کرنا چاہا۔ غرضیکہ حضرت اخطا العجز نے اسی اصول کے ماتحت ضرورت کے وقت صحابہ سے استفسار فرما کر احادیث و فیصلہ نبوی کی

الفاظ، چنانچہ اسی احتیاط کی بنا پر ایک صحابی دوسرے صحابی کو غلط فہمی کے سوا کذب کا مصداق نہیں ٹھہراتا تھا۔ تاہم عامہ صحابہ کا غوث یکساں نہ تھا اور نہ سب کی طبیعت یکساں ہونی ممکن ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم سیرۂ رسول سے بالکل محروم رہ جاتے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کا واقعہ بخاری میں موجود ہے فرماتے ہیں، لو وضعتم الصمصامۃ علی ہذا و اشار الی قفلا لا ثم ظننت انی انشدت حکمتہ سمعتہا من النبی صلعم قبل ان تجیزوا علی لا ندفن تھا۔ یہ ہیں وہ واقعات جن کی روشنی میں اصول حدیث کی اہمیت اور ناقابل تردید جدوجہد کا سراغ ملتا ہے کہ یہ فن کس قدر اپنے اندر صحیح اور عقلی حقائق و معارف رکھتا ہے۔ (باقی)

اہل علم کی خوش قسمتی

ذیل کی جلیل القدر کتابوں کی قیمتوں میں مزید تخفیف

اہل علم کی خوش قسمتی جو کہ کتب میں فقیہی و فہمی کی طرف سے ان کے علم کی جامعہ ایک ایسی مہینہ جو زمانہ مصر کو آیا ہے وہ جو کچھ ارازاں بڑا ہو سکتا ہے ہم ذیل کی قیمتوں میں مزید تخفیف کر دی ہے۔

ایک ماہانہ اٹھانی کا خاص وقت ہے جو پشاور پھر ہاتھ نہ ائے

تفسیر ابن کثیر مصری جدید الطبع (اس مرتبہ حاشیہ پر کوئی دوسری کتاب نہیں چھپی ہے) قیمت صرف عٹلہ
حجۃ اللہ البالغہ مصری از حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ابھی حال میں نہایت نفیس کاغذ بطبع ہوئی ہے قیمت صرف سٹہ
فتح القدیر شرح ہدایہ اس مرتبہ بھی حسابات عنایہ و حاشیہ علی ہش پرست کامل طبع شد اور قیمت اب صرف عٹلہ
ازرقانی شرح مواہب لدنیہ حاشیہ پر زاد المعاد کامل اٹھ جلد قیمت اس وقت صرف عٹلہ

نوٹ: کہ کم از کم عٹلہ کی کتابیں خریدنے والے حضرات کو چاہئے کہ وہ اپنے کو ایسا لکھوالا فرقان مفت جاری ہوگا
(یہ اور دوسری قسم کی دینی علمی کتابیں بکفایت ملنے کا پستہ

دفتر الفرقان بریلی یو پی یاد رکھیے

تسزئل تاوئل امثال لست لسن

از جناب لوی محمد ایوب صاحبہ اجپوری

[قرآنی مباحث میں امثال کی جواہریت ہے اس کا اندازہ قرآن کے ہر طالب علم کو ہو گا۔ شیلیں اپنے اندر بے شمار اسرار و رقائق کا خزانہ رکھتی ہیں، جن کے سمجھنے کے بعد قرآنی اعجاز بلاغت کا کمال معلوم ہو سکتا ہے۔ علامہ ابن قیمؒ کا نام قرآنی بصیرت رکھنے والوں میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ موصوف کی مجتہدانہ ژرف نگاہی اور قرآن فہمی کسی صاحبِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔ اپنی تصنیف اعلام الموقعین میں انھوں نے ایک مفید بحث خاص امثال القرآن کے متعلق فرمائی ہے۔ عام استفادہ کی خاطر اس کا آزاد ترجمہ ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں (ایوب جبر اجپوری)]

تمثیل کی عوض یہ ہوتی ہے کہ کسی غیر واضح اور غیر محسوس حقیقت کو مخاطب کے فہم سے قریب تر لانے کیلئے کسی ایسی چیز سے تشبیہی جاٹ جو واضح اور محسوس ہو۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھو کہ جو چیز عام نگاہوں کو اچھل جاتی ہے تمثیل کے ذریعہ سے گویا اس کا منشا ہر کرا دیا جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں یہ طرز بیان بڑی کثرت کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے کیونکہ جن حقائق سے وہ آگاہ کرنا چاہتا ہے وہ قریب قریب سب غیر مرئی و غیر محسوس

ہیں۔ لہذا قرآن مجید کی تمثیلات کا مضمون بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اس میں تدبیر کرنا مطالب قرآن کو سمجھنے کے لئے بنیاد ضروری ہے۔

(۱) قرآن منافقین کے بارے میں کہتا ہے:-

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا
فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ
وَتَرَهُمْ فِي ظُلُمٍ لَا يَبْصِرُونَ صُمُّكُمْ سُنِّي
فَقُمْ لَا يُجِيعُونَ، وَكُصِّبَتْ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ
ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَنُبُرٌ يُجْعَلُونَ أَصَابَهُمْ
فِي إِذَا نَهَمُوا مِنَ الصَّوْاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ
وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ يَكْدُ الْبَرْقِ
يَخْطِفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا
فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ
اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ
اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (بقرہ- ۲)

ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے گ جلائی، پھر جب
اس پاس کی چیزیں چمک اٹھیں تو اللہ نے ان کا نور مٹا لیا
اور ان کو تاریکیوں میں چھوڑ دیا کہ ان کو کچھ سمجھتا ہی نہیں۔
بہرے ہوئے اندھے ہیں کہ وہ پھر (راہ راست پر) نہیں آسکتے
یا مثلاً آسمانی بارش آلی جس میں تاریکیاں ہیں اور گرج اور بجلی
کو لک کا یہ حال ہے کہ وہ جان کے خوف کانوں میں انگلیاں
دھپتے ہیں اور چمک کا یہ زور ہے کہ انکھیں اندھی ہوئی جاتی ہیں۔
اور کافروں کو چاروں طرف اللہ نے گھیر رکھا ہے جب جب
آگے بڑھتی ہے وہ اس کی روشنی میں کچھ دور چلے اور جب ان پر
تاریکی بھاگی تو کھڑے (کے کھڑے) رہ گئے۔ اور اگر اللہ چاہے
تو ان کی سنہ اور دیکھنے کی قوتیں سلب کرے بیشک اللہ ہر چیز

پر قادر ہے۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے منافقین کے حسب حال دشلیں بیان کی ہیں۔ ایک تاری دوسری تاری
غور کرو تو معلوم ہوگا کہ اس میں فلسفہ ہدایت کی گہری حکمت پنہاں ہے یہ دونوں چیزیں داگ اور پانی
روشنی اور زندگی کا سرچشمہ ہیں۔ اگر روشنی کی ہل ہے اور پانی زندگی کی ہل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی وحی کے
متعلق فرماتا ہے کہ اس کے اندر دلوں کے لئے زندگی اور نور ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام اس نے روح

اور نور رکھا ہے۔ اسے قبول کرنے والوں کو ”احیاء“ (زندہ) کہتا ہے جو روشنی میں ہیں، اور ”مترکین کو“ (موت) (مردہ) بتاتا ہے جو تاریکی کی وادیوں میں بھٹک رہے ہیں۔ یہاں منافقین کی حالت اس مناسبت سے بیان کی ہے کہ انھوں نے وحی الہی کو دلیل راہ بنایا لیکن اپنی ہی خریدی ہوئی بختیوں کی بدولت اس پر قائم نہ رہ سکے۔ اسی لئے ان کو اس شخص کے مشابہ قرار دیا ہے جس نے آگ جلائی روشنی حاصل کرنے اور پہرہ مند ہونے کے لئے لیکن اس کی یہ کوشش نتیجہ خیز نہ ہوئی۔ منافقین کی حالت اس سے بالکل ملتی جلتی ہے بایں طور کہ انھوں نے دائرہ اسلام میں قدم رکھا، اس کی روشنی میں چلنا چاہا، فوائد حاصل کئے، اس کے دامن میں پناہ لی اور مسلمانوں میں مل گئے لیکن چونکہ اس میں غلاب کا محرک کوئی ایمانی جذبہ نہ تھا جس کا نور ان کے دلوں میں واقعہ موجود ہوتا، اس لئے اللہ نے اسلام کی یہ روشنی ان کے دلوں سے بجھا دی اور ان پر ظلمت تاریکی کا پردہ ڈال دیا۔ ذرا قرآن کی اس حکمت پر بھی ایک نظر ڈالو کہ اس نے ”ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِ“ (ان کی روشنی زائل کر دی) کہا ہے ”بنامرہ“ یعنی ان کی اُن بجھا دی نہیں کہا۔ آگ کی خاصیت روشنی بخشنا اور جلانا دونوں ہے سو اللہ نے روشنی تو ان سے سلب کر لی اور جلانی تاثیر باقی رکھی اور ان کو تاریکیوں میں بھٹکا چھوڑ دیا۔ یہی اس شخص کی صحیح تصویر ہے جس نے بنیائی سے کام لیا پھر انھوں پر خود ہی پٹی باندھ لی۔ معرفتِ ہدایت کی سعادت حاصل کی پھر خود ہی انکار و تکذیب کی لعنت اوڑھ لی۔ حد و اسلام میں داخل ہوا پھر باطنی لحاظ سے آپ ہی آپ اسٹے پاؤں پھیر گیا اور ادھر کا رخ نہ کیا۔ اسی وجہ سے ان کے متعلق یہ فرمایا جہ کہ ”وہ اب لوٹنے والے نہیں۔“

اب ذرا قرآن کی آبی تمیث کے آئینہ میں بھی منافقین کی تصویر دیکھ لو۔ قرآن کہتا ہے کہ منافقین کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو چلتے چلتے زور شور کی بارش میں گھر گئے ہوں۔ بادلوں کی ہمہ گیر تبارکی ان پر مسلط ہے۔ ہونا کتبلیوں کی کوک چمک ہے بضعف قلب اور سرسبکی سے ان کا بُرا حال ہے۔ تاریکی میں کبھی کبھی زور کبھی چمکتی ہے تو اس کی مدد سے دو قدم چل لیتے ہیں لیکن جب زور کی بجلی

لو کہتی اور کوئدی ہے تو ڈر کے مارے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں اور سر نکھیں بند کرتے ہیں کہ کہیں صاعقہ آسمانی آنے لے اور تار حیات ٹوٹ نہ جائے۔ بس اسی طرح ان منافقین کے لئے بھی حمت الہی کی وہ بارش جو قرآن کی صورت میں ہوئی، ان کی اپنی کمی عقل ضعف دماغ اور قلت علم و بصیرت کی وجہ سے زحمت بن گئی۔ قرآن کے احکام امر و نہی، اس کی دعوت جہاد و قتال، اوفس پرستوں پر اس کی زبردستی و توبخ ان کے لئے بجلی کی کرکڑ اور چمک بن گئے جن کی تاب لانا ان کے بس میں نہ تھا۔ ہلکی ہلکی پنیر تعلیمات کی روشنی میں تو وہ کچھ چل لیتے ہیں۔ مگر جہاں آزمائش کے معاملات آجائیں، یا جہاں تاویلات کی گنجائش نہ دے کر دو ٹوک فیصلہ کر دینے والی آیت آجائے وہاں وہ سخت کشمکش اور پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ ہمارا روز کا مشاہدہ ہے کہ جب گمراہ اور بدعتی فرقوں کے سامنے قرآن کی کوئی صریح آیت پیش کر دیتی ہے تو وہ ایسے سٹ پٹاتے ہیں کہ گویا بکریوں کے سامنے شیر آگیا، حالانکہ قرآن کی آیت تو فی نفسہ رحمت ہے، مگر ان کے لئے سخت مصیبت بن جاتی ہے۔ اس کی چکا چوند میں وہ اٹا اور راستہ بھول جاتے ہیں اور اس کی آواز ان کے لئے بجلی کا کرکڑ کا بن جاتی ہے جس سے جان بچانے کے لئے نہیں کانوں میں انگلیاں ٹھونس لینے پڑتی ہیں۔ ان کی یہ حالت کیوں ہوتی ہے؟ صرف اس بنا پر کہ ان کی عقلوں اور دلوں پر حق سے ناانوسیت اور بیگانگت کا پردہ پڑا ہوا ہے اور ان کے کمزور دل صفات الہی کے روحانی بار کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس وجہ سے وہ اعراض و نفرت پر تل جاتے ہیں۔ انہیں کے مثل ان مشرکوں کا (غواہ ان کے مختلف گر وہ اپنے مشرکانہ خیالات میں کتنے ہی مختلف ہوں) حال بھی ہے جن کے سامنے خالص مسئلہ توحید مبرہن ہو کر آ جاتا ہے اور قطعی دلائل و فصوص ان کے مشرکانہ اوہام کی دھجیاں کھیر کر رکھ دیتے ہیں تب بھی ان کے دلوں میں ایمان کی روشنی پیدا نہیں ہوتی، بلکہ ان پر قرآن کی بات حق شاق گزرتی ہے اور وہ اس سے اس قدر وحشت کھاتے ہیں کہ اگر ان کا بس چلے تو اپنے کانوں کو بند کرنے میں بھی دریغ نہ کریں۔ اسی طرح اگر تم اصحاب سرور کو نبی صلعم سے

بھی دشمنی رکھنے والوں کو دیکھ گئے تو انہیں بھی اسی مرض میں گرفتار پاؤ گے جب خلفائے راشدین اور صحابہ کی سختی اور بزرگی ثابت کرنے والی صریح نصوص ان کے سامنے بے نقاب ہو کر آتی ہیں تو ان سے بڑھ کر کوئی چیز ان کیلئے سوا ان روح نہیں ہوتی اور نہایت بے باکی کے ساتھ وہ ان متخالف کائنات کا انکار کر دیتے ہیں۔ غور کرو تو معلوم ہو گا کہ ان تمام مرضائے قلوب کو منافقین کی اس معنوی حالت جسے جس کی مثال اللہ نے بیان فرمائی ہے ایک خاص مناسبت ہے۔ اس لئے کہ ان کے حالات اور اعمال بالکل انھیں کے سے ہیں اور دونوں کی مشابہت ہی اعمال کی مشابہت کی باعث ہوتی ہے۔ ایک جماعت یا ایک فرد کے افعال و کردار میں اگر ہر گئی ہے تو جان لو کہ ان کی کیفیت نفسی اور ان کی صورت و روحانی میں بھی ضروری مشابہت ہے۔

(۲) سورہ مدین اسی فلسفہ ہدایت کو دوسرے پہلو سے بیان کیا گیا ہے۔ وہاں منہجین کو سارے کھرا کرانے بارے میں بھی ہم دونوں، اناری و مانی تئیں بیان فرمائی گئی ہیں مگر دیکھو کہ دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے:-

انزل من السماء ماء فسالنا	اللہ نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اپنی اپنی ہوائی کے (بعد اس
اودیه بقدرها فاحمل السبل زبدا رابيا	ندی نامے پہ نکلے۔ پھر پانی کے، ریلے میں جھاگ بن کر اوپر اٹھ
ومما يوقدون عليه في النار ينبغاء حليه	آئے۔ اسی طرح زبور یا دوسرے ساز و سامان بنانے کے لئے
ادعنا زبدا مثله كذا الا يضرب الله	(معدنیات کو) جب لوگ لگ میں تپاتے ہیں تو ان میں بھی اسی
الحق والباطل فاما الزبد فين هب جهه	طرح کا جھاگ ہوتا ہے۔ یوں اللہ حق و باطل کی مثالیں بیان
واما ما ينفع الناس فيجكث في الارض	فرماتا ہے۔ سو جھاگ تو رائیگاں جاتا ہے اور پانی، جو لوگوں کے
كذلك يضرب الله الامثال (رد-۲)	کام آتا جو زمین میں پھیرا رہتا ہے اللہ اسی طرح مثالیں بیان فرماتا

یہاں اللہ تو نے اپنے اپنی وحی کو جسے وہ قلب انسانی کو زندہ کرنے کے لئے آتا رہا ہے پانی سے تشبیہ دی ہے جو زمین کو زندہ کرنے کے لئے برسا یا جاتا ہے اور دونوں کو ندی نالوں سے تشبیہ دی ہے جس طرح ندی نالے آسمان کی بارش کو اپنی اپنی وسعت کے مطابق اپنے سینوں میں بھر لیتے ہیں اسی طرح انسانی قلوب بھی دریا منور

سے بقدر ظرف لے لیتے ہیں۔ جو قلب جتنی زیادہ وسعت کھتا تو وہ اسی قدر علم و بصیرت کا خزانہ وحی الہی کے فیضانِ عالم سے حاصل کر لیتا ہے۔ پانی کے ساتھ وحی اور ندی نالوں کے ساتھ قلوب کی تشبیہ کس قدر بلیغ ہے۔ پھر دکھو بادلوں سے جب بارش ہوتی ہے اور زمین پر پڑ کر دھارے کی شکل میں بہنے لگتی ہے تو اس وقت زمین کی تمام ٹہلٹیں اوڑھیں کھیل اُڑیں غاشاک سب بھر کر سطح آب پر آجاتے ہیں مگر چند لہجوں کے بعد کہیں ان کا نام و نشان تک نہیں رہتا، اور وہی پاک صاف پانی باقی رہ جاتا ہے جو انسان کے لئے مفید ہے۔ اسی طرح علم و بصیرت اور رشد و ہدایت کا آب حیوان بھی جب قلوب کی وادیوں میں اترتا ہے تو پہلے تمام دبی ہوئی کٹافوں کو ابھار دیتا ہے اور بالآخر نفسانی خواہشوں اور تنکوٹ کو دھام کی گندگیوں کو فنا کر کے دلوں کو انوار الہی کا مہبط بنا دیتا ہے۔ اس کی مثال بعینہ دو انکی سی ہے جو جسم کے اندر داخل ہو کر تمام اخلاطِ نجس کو ابھار دیتی ہے اور مریض ایک طرح کی ناگواری محسوس کرتا ہے حالانکہ اخلاط کا ابھرناد و اس کے فوائد میں سے ہے کیونکہ وہ انھیں ابھارتی ہی اس لئے ہے کہ فنا کرے، جیسا کہ اس کی فطرت کا خاصہ ہے۔ ان محتاق کو سامنے رکھو اور پھر حق و باطل کی باہمی آویزش کا قصو کرو۔ حق نمودار ہوتا ہے تو دلوں میں چھپی ہوئی باطل کی تمام قوتیں سر نکال لیتی ہیں بلکہ لوں کہنا چاہئے کہ حق خود ہی کرید کران تو توں کو ابھارتا ہے تاکہ انھیں باہر نکال پھینکے۔ کچھ مدت تک تو وہ قوتیں ایک جہتی کیفیت میں ابھری رہتی ہیں لیکن آخر کار فنا ہو جاتی ہیں اور اُمیۃ قلب بالکل صاف ہو کر چمک اٹھتا ہے۔ تمثیل تو مانی تھی نہار تمثیل بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے :-

وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ (اور یہ جو د لوگ، زیور یاد و سرے سازو سامان کے لئے

ابْتِغَاءَ حُلِيٍّ أَوْ مَتَاعٍ ذَرَبُ مَثَلٍ) (معدنیہ کو، آگ میں تپاتے ہیں اس میں بھی، اسی طرح جھاگ لٹھٹا

معدنیات جب آگ میں پگھلائی جاتی ہیں تو ان میں سے نیل کا جھاگ اٹھتا ہے۔ اصل جو ہر نیسے رہ جاتا، جو انسانی ضروریات زندگی کے لٹوکار آہر ہو اور جھاگ و پراگر چھٹ جاتا اور سوخت ہو جاتا ہے۔ ایمان و ہدایت کا معاملہ بھی ایسا ہی کچھ ہے۔ ایمان کی گرمی جب پہنچتی ہے تو مومن کے قلب کو اپنے اندر کی کٹافوں کا شدید احساس

ہوتا ہے اور وہ پریشان ہونے لگتا ہے۔ مگر یہ آگ شہوات اور شہوات کی گندگیوں کو اس طرح چھانٹ کر پھینک دیتی ہے جس طرح بھٹی کی آگ معدنیات کے نیل اور زنگ کو۔ پھر جس طرح ملاوٹ نکل جانے اور سخت ہو جانے کے بعد معدنیات کا خالص جوہر انسانوں کو فائدہ پہنچاتا ہے اسی طرح نور ایمان بھی قلب مومن میں ممکن ہو کر صرف اس کو بلکہ اس کے ذریعہ سے ایک جہان کے جہان کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

(۳) اب دنیوی زندگی اور صاحب دنیا کی مثال بیان کی جاتی ہے:-

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ
اَنْزَلْنَاهُ مِنْ السَّمَآءِ فَاَلْحَتَ لَطِيفُهُ نِبَاتًا
اَلْاَرْضِ حِمَآءًا يَّكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ حَتّٰى
اِذَا اخَذَتْ زُخْرُهَا وَاَزْيَنَتْ وَظَنَ اَهْلُهَا
اَنَّهُمْ قَادِرُوْنَ عَلَيْهَا اَنَّا هَاۤءُنَا كَيَّدَا
اَوْ هَاۤءُنَا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيْدًا اَکَانَ لَمُغْنٍ
بِاِلَٰهٍ لَّكَ لِنُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ
يَّتَفَكَّرُوْنَ (یونس - ۳)

دنیوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے مثلاً ہم نے آسمان کی بارش
برسایا اور اس سے زمین کی نباتات جس کو آدمی اور جو یا کھاتے
ہیں سیراب ہوئی، یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا سنگھار کر لیا
اور خوشما ہو چکی اور اہل زمین نے سمجھ لیا کہ اب وہ ان کی برکت
تو (ناگاہ) ہمارا حکم اس پر زیادہ کرنے کے وقت نازل ہو گیا
اور ہم نے اس کا ایسا ستھر کر دیا کہ گویا کھل کر کھانے کا نام و نشان
ہی نہ تھا۔ جو لوگ سوچتے اور سمجھتے ہیں ان کے لئے ہم اپنی
نشانیاں اسی طرح تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے دنیوی زندگی کی تشبیہ اس طرح دی ہے کہ دنیا جب زیب و زینت کے لباس میں بن
سکڑ کر سامنے آتی ہے تو انسان اس پر مفتوں ہو جاتا ہے اور حصول دنیا ہی اپنی طرح نظر قرار دے لیتا ہو جی کہ یہ فی نفس
لئے یہاں تک پہنچا دیتا ہے کہ وہ اس زینت حیات کو اپنی ملک اور اپنے قبضہ قدرت میں سمجھنے لگتا ہے۔
اس وقت کیا ایک کرشمہ الہی نمودار ہوتا ہے اور اس کے ہاتھوں سے یہ محبوب ترین مشاعرہ چھین کر اسے خیر
و ناکامی کی ناگہانی مصیبتوں اور حیرتوں میں چھوڑ جاتا ہے۔ اس کیفیت زندگی کی تشبیہ اللہ تعالیٰ نے زمین سے
دی ہے جس پر بارش کی کرشمہ بازی سے نباتات کی ہری ہری چادریں بچھ جاتی ہیں اور اس باصرہ نواز منظر کو

دیکھ کر کان بخود بے اختیار ہوجاتا ہے۔ اس وقت خدا اسے یا نہیں آتا۔ نفس کے فریب میں اگر وہ اسے پہنچے
تدبر کا نتیجہ اور اپنی ملک سمجھ لگتا ہے کہ چاک حکم الہی جاری ہوتا ہے اور یہ سارا سامان غور و آفات و حوادث کی ہند
ہو کر رہ جاتا ہے۔ دیکھتے دیکھتے اس ظلم ظن و غور ٹوٹ جاتا ہے اور اسے دکھائی دیتا ہے کہ جس جگہ اس کے
خوش آمد خلیات کی حسین عمارت قائم تھی وہاں کستہ کھنڈروں کے نشان بھی اب موجود نہیں ہیں۔ یہی حال
دنیا کی رغایوں اور اس کے پر امید اور خود فریب پرستاروں کا ہے اگر غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ دنیا اور دنیا پر
کی کتنی بلیغ تشبیہ ہے۔

ضمناً ایک اور نکتہ بھی سمجھ لو۔ چونکہ دنیا آفات و حوادث کا مرکز، اور اس کے بالمقابل جنت الطینان سکون
اور عافیت و سلامتی کا گہوارہ ہے اس لئے قرآن اس تشبیہ اور تذکر کے بعد **وَاللّٰهُ يَكْفِي عَنِ الْاِلٰهِ دَارِ السَّلَامِ**
کہہ کر جنت کی زندگی کی طرف بلاتا ہے۔ جنت کو دار السلام (سکھ کا گھر) کہنے کی وجہ یہی ہے کہ یہ مقام ان تمام
افسوس، پریشانیوں اور بے اطمینانیوں سے مامون ہے جن کی تشکار دنیا بنی ہوئی ہے۔ قرآن بلا لحاظ خاص
و عام سب کو اس آئندہ جہنم کی طرف دعوت دیتا ہے کہ عدل الہی اسی کا تقاضی ہے، اگرچہ ہدایت و معرفت
کی سعادت صرف انہیں کو حاصل ہوتی ہے جن کو پروردگار عالم اس عزت و شرف سے نوازنا ہے **وَذِيكَ
فَضَّلُ اللّٰهُ يُوْتِيْهِ مَن يَّشَاءُ** الخ۔

(۴) قبول حق کی استعداد اور عدم استعداد کی تمثیل :-

مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ الْاَكْلَ عَمَلٍ وَالْخَمْرِ دونوں فریقوں کی مثال اندھے، بہرے اور آنکھوں ا
وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ هَلْ يَسْتَوِيَانِ اوستنے والے کی سی ہے، کیا دونوں کی حالت یکساں
مَثَلًا اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ہو سکتی ہو، کیا تم لوگ غور نہیں کرتے؟

قرآن نے اس آیت میں کفار کا ذکر کرتے ہوئے ان کی صفت یہ بیان کی ہے کہ وہ سننے سے معذرت
اور بصارت سے محروم ہیں۔ اور پھر ان کے مقابل مومنین کے اوصاف مثلاً ایمان، عمل صالح، محبت الہی

اور انا بت الی اللہ وغیرہ کو بنیائی اور سماعت سے تشبیہ دی۔ پہلے گروہ کو اندھا بہر اس لئے کہا کہ ان کی پیشانی کی آنکھیں تو دیکھتی ہیں لیکن دلوں کی آنکھیں بے نور ہیں۔ حق کا بے نقاب پہرہ دیکھنے سے قاصر ہیں۔ اسی طرح وہ اوپر کے کانوں سے تو سنتے ہیں مگر اندر کے کانوں تک آواز حق کا گز نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی تشبیہ ایسے شخص سے دی ہے جس کی دیکھنے اور سننے کی قوتیں سلب کر لی گئی ہوں کہ نہ کسی چیز کو دیکھ سکتا ہو اور نہ کوئی بات سن سکتا ہے۔ دوسرا گروہ مومنین کا ہے جو بیدار مغز ہے جس کے دل کی آنکھ بھی صحیح سلامت ہے اور کان بھی۔ اس کو ایسے شخص سے تشبیہ دی ہے جو دیکھنے والی آنکھیں اور سننے والا کان رکھتا ہے۔ یہ تمثیلیں بیان کر کے اللہ تعالیٰ ان دونوں کے برابر ہونے کی خود نفی نہیں کرتا بلکہ غیظوں ہی کی عقل و فکر سوا کرتا ہے کہ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ اس استفہام انکاری میں جو زور ہے وہ خود انکار کرنے میں کہاں ہو سکتا ہے۔

(۵) اور یا مشرکین کی بے بسی کی مثال :-

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِثْلَ
دُونِ اللَّهِ أُولَئِكَ كَمِثْلِ الْعَنْكَبُوتِ
الَّتِي تَخْذُ بُيُوتًا وَإِنَّ أَهْلَ الْبُيُوتِ
لَيَبْئِثُ الْعَنْكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝

جن لوگوں نے خدا کے سوا دوسروں کو اپنا کارما بنا رکھا ہے ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ اس نے ایک گھر بنایا اور کچھ شک نہیں کہ سب گھروں میں کمزور گھر مکڑی کا گھر ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے۔

(عنکبوت - ۴)

یہاں اس حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ مشرکین تو مکڑی کی طرح کمزور و ناتواں ہیں ہی لیکن ان کے اولیاء و شرکاء ان سے بھی زیادہ بے بس اور مجبور و محض ہیں۔ سوان مشرکین کی ذاتی کمزوری و بے چارگی اور پھر اپنے سے بھی بے بس تراولیا سے مدد و قوت حاصل کرنے کی مثال مکڑی اور اس کے گھر کی سی ہے۔ اس مثل کے تحت مشرکین کے انتہائی خیران کا ذکر ہے کہ اگرچہ وہ بے یار و مددگار ہیں لیکن وہ اپنی محرومی و

مذہبی کے نقطہ کمال پر اس وقت پہنچے جب کہ انھوں نے اپنے سے بھی زیادہ مجبور مخلوق کو اپنا ولی و مددگار بنایا جن سے وہ سوائے ضعف و خسران کے کچھ نہیں پاسکتے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ شرکین و کفار بھی جانتے ہیں کہ تار عنکبوت کمزور ترین شے ہے پھر اس کو "کَاُفُوًا يَعْلَمُونَ" کے ذریعہ ان کی واقفیت و علم کی نفی کیوں کی گئی ہے؟ اس کا جواب بالکل واضح ہے۔ آیت کا مقصد ان کے اس علم کی نفی کرنا نہیں ہے کہ مکرئی کا گھر سب زیادہ کمزور ہے بلکہ اس علم کی نفی کرنا ہے کہ خدا کے واحد کے سوا جو معبود اور اولیا ٹھہرائے جاتے ہیں ان کی قوت اور قدرت تار عنکبوت سے زیادہ نہیں ہے۔ اگر وہ اس حقیقت کو جانتے ہوتے تو ایسا ہرگز نہ کرتے۔ وہ تو یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ یہی اولیا ان کو قوت و جبروت بخشیں گے لیکن اس کی حقیقت خواب زیادہ نہیں ہے اور نہ کبھی ثابت ہوئی۔ اس مضمون کی بکثرت آیتیں ملتی ہیں جن میں یہی حقیقت بیان کی گئی ہے مثلاً ایک گتہ قرآن کہتا ہے:-

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا كَلَّا سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا (مریم-۵)

انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر بہت خدا بنا لیے ہیں کہ وہ ان کے مددگار ہوں گے مگر وہ ہرگز مددگار نہ ہوں گے قریب کہ وہ خود ان کی بندگی کا انکار کریں گے اور ان کے دشمن ہو جائیں گے۔

دوسری جگہ ہے:-

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحَضَّرُونَ (یس-۵)

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر بہت خدا بنا لیے ہیں کچھ کہ وہ ان کی مدد کریں گے مگر وہ ان کی مدد نہیں کر سکتے بلکہ یہ بت پرستوں کے لشکر بنے ہوئے قیامت میں خود جواب ہی کیلئے حاضر ہوں گے۔

ایک مقام پر شرکین کی ہلاکت و تباہی بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:-

وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ كَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ آلِهَتُهُمُ الَّتِي يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْ يَدْعُوا لَهُمْ عَذَابَ اللَّهِ تَالِيًا قَوْلَهُ سِوَا مَا يَدْعُونَ

اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا اور جب تیرے پروردگار کا حکم (عذاب) آیا تو خدا کے سوا وہ جن معبودوں

ذُوْنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ كَمَا بَعَثَ اَمْرًا مِّنْكَ وَمَا
 زَادُوْهُمْ غَيْرًا تَتَّبِعُ (ہود۔ ۹)
 ان کی تباہی کچھ اور بڑھادی۔

ان چاروں مقامات پر حقیقت اتکارا کی گئی ہے کہ جس نے خدا کو چھوڑ کر شرک اور اولیاء کا دین سر بلند کیا
 و سر فرازی اور نصرت و امداد حاصل کرنے کے لئے پکڑا وہ ناکام رہا اور اس کی یہ عبادت مفید و منفعت بخش ہوئے
 کے بجائے الٹی و بال جان بن گئی۔ پیش جو اوپر بیان ہوئی شرک کے ابطال و شرکین کے خیران اور ان کی انجام
 کی ہون کی اور تباہ کاری کی سب زیادہ روشن اور یلغ تفتیش ہے۔
 (باقی)

ترجمان القرآن کے سابق پرچے

ترجمان القرآن کے مندرجہ ذیل سابق پرچوں کی دفتر ذاکہ کو ضرورت ہے جو حضرات ان پرچوں کو قیمت فروخت کرنا
 چاہتے ہوں۔ یا جگہ پاس یہ پرچے فالتو موجود ہوں۔ وہ براہ کرم ان پرچوں کو بذریعہ ڈاک ہمارے پاس روانہ کر دیں۔
 اؤزلفافہ پر اپنا مکمل پتہ تحریر فرمائیں تاکہ ہم فی پرچہ کے حساب ان کو قیمت روانہ کی جاسکے۔
 رسائل اخبارات کے ایڈیٹر صاحبان سے بھی گزارش ہے کہ اگر وہ مکمل فائل نہ رکھنا چاہتے ہوں۔ او
 ان کے پاس یہ پرچے ہوں تو وہ بھی ان پرچوں کو بھیج کر قیمت وصول کر لیں۔

سال ۱۴۵۶ھ	جلد ۲	عدد ۲	ماہ صفر
سال ۱۴۵۷ھ	جلد ۳	عدد ۲	ماہ شعبان
سال ۱۴۵۸ھ	جلد ۴	عدد ۳	ماہ رمضان
سال ۱۴۵۹ھ	جلد ۵	عدد ۱	ماہ محرم
سال ۱۴۶۰ھ	جلد ۶	عدد ۲	ماہ صفر
سال ۱۴۶۱ھ	جلد ۷	عدد ۳	ماہ ربیع الاول
سال ۱۴۶۲ھ	جلد ۸	عدد ۴	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۴۶۳ھ	جلد ۹	عدد ۵	ماہ جمادی الاول
سال ۱۴۶۴ھ	جلد ۱۰	عدد ۶	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۴۶۵ھ	جلد ۱۱	عدد ۷	ماہ شعبان
سال ۱۴۶۶ھ	جلد ۱۲	عدد ۸	ماہ رمضان
سال ۱۴۶۷ھ	جلد ۱۳	عدد ۹	ماہ محرم
سال ۱۴۶۸ھ	جلد ۱۴	عدد ۱۰	ماہ صفر
سال ۱۴۶۹ھ	جلد ۱۵	عدد ۱۱	ماہ ربیع الاول
سال ۱۴۷۰ھ	جلد ۱۶	عدد ۱۲	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۴۷۱ھ	جلد ۱۷	عدد ۱۳	ماہ جمادی الاول
سال ۱۴۷۲ھ	جلد ۱۸	عدد ۱۴	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۴۷۳ھ	جلد ۱۹	عدد ۱۵	ماہ شعبان
سال ۱۴۷۴ھ	جلد ۲۰	عدد ۱۶	ماہ رمضان
سال ۱۴۷۵ھ	جلد ۲۱	عدد ۱۷	ماہ محرم
سال ۱۴۷۶ھ	جلد ۲۲	عدد ۱۸	ماہ صفر
سال ۱۴۷۷ھ	جلد ۲۳	عدد ۱۹	ماہ ربیع الاول
سال ۱۴۷۸ھ	جلد ۲۴	عدد ۲۰	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۴۷۹ھ	جلد ۲۵	عدد ۲۱	ماہ جمادی الاول
سال ۱۴۸۰ھ	جلد ۲۶	عدد ۲۲	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۴۸۱ھ	جلد ۲۷	عدد ۲۳	ماہ شعبان
سال ۱۴۸۲ھ	جلد ۲۸	عدد ۲۴	ماہ رمضان
سال ۱۴۸۳ھ	جلد ۲۹	عدد ۲۵	ماہ محرم
سال ۱۴۸۴ھ	جلد ۳۰	عدد ۲۶	ماہ صفر
سال ۱۴۸۵ھ	جلد ۳۱	عدد ۲۷	ماہ ربیع الاول
سال ۱۴۸۶ھ	جلد ۳۲	عدد ۲۸	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۴۸۷ھ	جلد ۳۳	عدد ۲۹	ماہ جمادی الاول
سال ۱۴۸۸ھ	جلد ۳۴	عدد ۳۰	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۴۸۹ھ	جلد ۳۵	عدد ۳۱	ماہ شعبان
سال ۱۴۹۰ھ	جلد ۳۶	عدد ۳۲	ماہ رمضان
سال ۱۴۹۱ھ	جلد ۳۷	عدد ۳۳	ماہ محرم
سال ۱۴۹۲ھ	جلد ۳۸	عدد ۳۴	ماہ صفر
سال ۱۴۹۳ھ	جلد ۳۹	عدد ۳۵	ماہ ربیع الاول
سال ۱۴۹۴ھ	جلد ۴۰	عدد ۳۶	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۴۹۵ھ	جلد ۴۱	عدد ۳۷	ماہ جمادی الاول
سال ۱۴۹۶ھ	جلد ۴۲	عدد ۳۸	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۴۹۷ھ	جلد ۴۳	عدد ۳۹	ماہ شعبان
سال ۱۴۹۸ھ	جلد ۴۴	عدد ۴۰	ماہ رمضان
سال ۱۴۹۹ھ	جلد ۴۵	عدد ۴۱	ماہ محرم
سال ۱۵۰۰ھ	جلد ۴۶	عدد ۴۲	ماہ صفر
سال ۱۵۰۱ھ	جلد ۴۷	عدد ۴۳	ماہ ربیع الاول
سال ۱۵۰۲ھ	جلد ۴۸	عدد ۴۴	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۵۰۳ھ	جلد ۴۹	عدد ۴۵	ماہ جمادی الاول
سال ۱۵۰۴ھ	جلد ۵۰	عدد ۴۶	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۵۰۵ھ	جلد ۵۱	عدد ۴۷	ماہ شعبان
سال ۱۵۰۶ھ	جلد ۵۲	عدد ۴۸	ماہ رمضان
سال ۱۵۰۷ھ	جلد ۵۳	عدد ۴۹	ماہ محرم
سال ۱۵۰۸ھ	جلد ۵۴	عدد ۵۰	ماہ صفر
سال ۱۵۰۹ھ	جلد ۵۵	عدد ۵۱	ماہ ربیع الاول
سال ۱۵۱۰ھ	جلد ۵۶	عدد ۵۲	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۵۱۱ھ	جلد ۵۷	عدد ۵۳	ماہ جمادی الاول
سال ۱۵۱۲ھ	جلد ۵۸	عدد ۵۴	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۵۱۳ھ	جلد ۵۹	عدد ۵۵	ماہ شعبان
سال ۱۵۱۴ھ	جلد ۶۰	عدد ۵۶	ماہ رمضان
سال ۱۵۱۵ھ	جلد ۶۱	عدد ۵۷	ماہ محرم
سال ۱۵۱۶ھ	جلد ۶۲	عدد ۵۸	ماہ صفر
سال ۱۵۱۷ھ	جلد ۶۳	عدد ۵۹	ماہ ربیع الاول
سال ۱۵۱۸ھ	جلد ۶۴	عدد ۶۰	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۵۱۹ھ	جلد ۶۵	عدد ۶۱	ماہ جمادی الاول
سال ۱۵۲۰ھ	جلد ۶۶	عدد ۶۲	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۵۲۱ھ	جلد ۶۷	عدد ۶۳	ماہ شعبان
سال ۱۵۲۲ھ	جلد ۶۸	عدد ۶۴	ماہ رمضان
سال ۱۵۲۳ھ	جلد ۶۹	عدد ۶۵	ماہ محرم
سال ۱۵۲۴ھ	جلد ۷۰	عدد ۶۶	ماہ صفر
سال ۱۵۲۵ھ	جلد ۷۱	عدد ۶۷	ماہ ربیع الاول
سال ۱۵۲۶ھ	جلد ۷۲	عدد ۶۸	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۵۲۷ھ	جلد ۷۳	عدد ۶۹	ماہ جمادی الاول
سال ۱۵۲۸ھ	جلد ۷۴	عدد ۷۰	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۵۲۹ھ	جلد ۷۵	عدد ۷۱	ماہ شعبان
سال ۱۵۳۰ھ	جلد ۷۶	عدد ۷۲	ماہ رمضان
سال ۱۵۳۱ھ	جلد ۷۷	عدد ۷۳	ماہ محرم
سال ۱۵۳۲ھ	جلد ۷۸	عدد ۷۴	ماہ صفر
سال ۱۵۳۳ھ	جلد ۷۹	عدد ۷۵	ماہ ربیع الاول
سال ۱۵۳۴ھ	جلد ۸۰	عدد ۷۶	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۵۳۵ھ	جلد ۸۱	عدد ۷۷	ماہ جمادی الاول
سال ۱۵۳۶ھ	جلد ۸۲	عدد ۷۸	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۵۳۷ھ	جلد ۸۳	عدد ۷۹	ماہ شعبان
سال ۱۵۳۸ھ	جلد ۸۴	عدد ۸۰	ماہ رمضان
سال ۱۵۳۹ھ	جلد ۸۵	عدد ۸۱	ماہ محرم
سال ۱۵۴۰ھ	جلد ۸۶	عدد ۸۲	ماہ صفر
سال ۱۵۴۱ھ	جلد ۸۷	عدد ۸۳	ماہ ربیع الاول
سال ۱۵۴۲ھ	جلد ۸۸	عدد ۸۴	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۵۴۳ھ	جلد ۸۹	عدد ۸۵	ماہ جمادی الاول
سال ۱۵۴۴ھ	جلد ۹۰	عدد ۸۶	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۵۴۵ھ	جلد ۹۱	عدد ۸۷	ماہ شعبان
سال ۱۵۴۶ھ	جلد ۹۲	عدد ۸۸	ماہ رمضان
سال ۱۵۴۷ھ	جلد ۹۳	عدد ۸۹	ماہ محرم
سال ۱۵۴۸ھ	جلد ۹۴	عدد ۹۰	ماہ صفر
سال ۱۵۴۹ھ	جلد ۹۵	عدد ۹۱	ماہ ربیع الاول
سال ۱۵۵۰ھ	جلد ۹۶	عدد ۹۲	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۵۵۱ھ	جلد ۹۷	عدد ۹۳	ماہ جمادی الاول
سال ۱۵۵۲ھ	جلد ۹۸	عدد ۹۴	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۵۵۳ھ	جلد ۹۹	عدد ۹۵	ماہ شعبان
سال ۱۵۵۴ھ	جلد ۱۰۰	عدد ۹۶	ماہ رمضان
سال ۱۵۵۵ھ	جلد ۱۰۱	عدد ۹۷	ماہ محرم
سال ۱۵۵۶ھ	جلد ۱۰۲	عدد ۹۸	ماہ صفر
سال ۱۵۵۷ھ	جلد ۱۰۳	عدد ۹۹	ماہ ربیع الاول
سال ۱۵۵۸ھ	جلد ۱۰۴	عدد ۱۰۰	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۵۵۹ھ	جلد ۱۰۵	عدد ۱۰۱	ماہ جمادی الاول
سال ۱۵۶۰ھ	جلد ۱۰۶	عدد ۱۰۲	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۵۶۱ھ	جلد ۱۰۷	عدد ۱۰۳	ماہ شعبان
سال ۱۵۶۲ھ	جلد ۱۰۸	عدد ۱۰۴	ماہ رمضان
سال ۱۵۶۳ھ	جلد ۱۰۹	عدد ۱۰۵	ماہ محرم
سال ۱۵۶۴ھ	جلد ۱۱۰	عدد ۱۰۶	ماہ صفر
سال ۱۵۶۵ھ	جلد ۱۱۱	عدد ۱۰۷	ماہ ربیع الاول
سال ۱۵۶۶ھ	جلد ۱۱۲	عدد ۱۰۸	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۵۶۷ھ	جلد ۱۱۳	عدد ۱۰۹	ماہ جمادی الاول
سال ۱۵۶۸ھ	جلد ۱۱۴	عدد ۱۱۰	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۵۶۹ھ	جلد ۱۱۵	عدد ۱۱۱	ماہ شعبان
سال ۱۵۷۰ھ	جلد ۱۱۶	عدد ۱۱۲	ماہ رمضان
سال ۱۵۷۱ھ	جلد ۱۱۷	عدد ۱۱۳	ماہ محرم
سال ۱۵۷۲ھ	جلد ۱۱۸	عدد ۱۱۴	ماہ صفر
سال ۱۵۷۳ھ	جلد ۱۱۹	عدد ۱۱۵	ماہ ربیع الاول
سال ۱۵۷۴ھ	جلد ۱۲۰	عدد ۱۱۶	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۵۷۵ھ	جلد ۱۲۱	عدد ۱۱۷	ماہ جمادی الاول
سال ۱۵۷۶ھ	جلد ۱۲۲	عدد ۱۱۸	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۵۷۷ھ	جلد ۱۲۳	عدد ۱۱۹	ماہ شعبان
سال ۱۵۷۸ھ	جلد ۱۲۴	عدد ۱۲۰	ماہ رمضان
سال ۱۵۷۹ھ	جلد ۱۲۵	عدد ۱۲۱	ماہ محرم
سال ۱۵۸۰ھ	جلد ۱۲۶	عدد ۱۲۲	ماہ صفر
سال ۱۵۸۱ھ	جلد ۱۲۷	عدد ۱۲۳	ماہ ربیع الاول
سال ۱۵۸۲ھ	جلد ۱۲۸	عدد ۱۲۴	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۵۸۳ھ	جلد ۱۲۹	عدد ۱۲۵	ماہ جمادی الاول
سال ۱۵۸۴ھ	جلد ۱۳۰	عدد ۱۲۶	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۵۸۵ھ	جلد ۱۳۱	عدد ۱۲۷	ماہ شعبان
سال ۱۵۸۶ھ	جلد ۱۳۲	عدد ۱۲۸	ماہ رمضان
سال ۱۵۸۷ھ	جلد ۱۳۳	عدد ۱۲۹	ماہ محرم
سال ۱۵۸۸ھ	جلد ۱۳۴	عدد ۱۳۰	ماہ صفر
سال ۱۵۸۹ھ	جلد ۱۳۵	عدد ۱۳۱	ماہ ربیع الاول
سال ۱۵۹۰ھ	جلد ۱۳۶	عدد ۱۳۲	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۵۹۱ھ	جلد ۱۳۷	عدد ۱۳۳	ماہ جمادی الاول
سال ۱۵۹۲ھ	جلد ۱۳۸	عدد ۱۳۴	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۵۹۳ھ	جلد ۱۳۹	عدد ۱۳۵	ماہ شعبان
سال ۱۵۹۴ھ	جلد ۱۴۰	عدد ۱۳۶	ماہ رمضان
سال ۱۵۹۵ھ	جلد ۱۴۱	عدد ۱۳۷	ماہ محرم
سال ۱۵۹۶ھ	جلد ۱۴۲	عدد ۱۳۸	ماہ صفر
سال ۱۵۹۷ھ	جلد ۱۴۳	عدد ۱۳۹	ماہ ربیع الاول
سال ۱۵۹۸ھ	جلد ۱۴۴	عدد ۱۴۰	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۵۹۹ھ	جلد ۱۴۵	عدد ۱۴۱	ماہ جمادی الاول
سال ۱۶۰۰ھ	جلد ۱۴۶	عدد ۱۴۲	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۶۰۱ھ	جلد ۱۴۷	عدد ۱۴۳	ماہ شعبان
سال ۱۶۰۲ھ	جلد ۱۴۸	عدد ۱۴۴	ماہ رمضان
سال ۱۶۰۳ھ	جلد ۱۴۹	عدد ۱۴۵	ماہ محرم
سال ۱۶۰۴ھ	جلد ۱۵۰	عدد ۱۴۶	ماہ صفر
سال ۱۶۰۵ھ	جلد ۱۵۱	عدد ۱۴۷	ماہ ربیع الاول
سال ۱۶۰۶ھ	جلد ۱۵۲	عدد ۱۴۸	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۶۰۷ھ	جلد ۱۵۳	عدد ۱۴۹	ماہ جمادی الاول
سال ۱۶۰۸ھ	جلد ۱۵۴	عدد ۱۵۰	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۶۰۹ھ	جلد ۱۵۵	عدد ۱۵۱	ماہ شعبان
سال ۱۶۱۰ھ	جلد ۱۵۶	عدد ۱۵۲	ماہ رمضان
سال ۱۶۱۱ھ	جلد ۱۵۷	عدد ۱۵۳	ماہ محرم
سال ۱۶۱۲ھ	جلد ۱۵۸	عدد ۱۵۴	ماہ صفر
سال ۱۶۱۳ھ	جلد ۱۵۹	عدد ۱۵۵	ماہ ربیع الاول
سال ۱۶۱۴ھ	جلد ۱۶۰	عدد ۱۵۶	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۶۱۵ھ	جلد ۱۶۱	عدد ۱۵۷	ماہ جمادی الاول
سال ۱۶۱۶ھ	جلد ۱۶۲	عدد ۱۵۸	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۶۱۷ھ	جلد ۱۶۳	عدد ۱۵۹	ماہ شعبان
سال ۱۶۱۸ھ	جلد ۱۶۴	عدد ۱۶۰	ماہ رمضان
سال ۱۶۱۹ھ	جلد ۱۶۵	عدد ۱۶۱	ماہ محرم
سال ۱۶۲۰ھ	جلد ۱۶۶	عدد ۱۶۲	ماہ صفر
سال ۱۶۲۱ھ	جلد ۱۶۷	عدد ۱۶۳	ماہ ربیع الاول
سال ۱۶۲۲ھ	جلد ۱۶۸	عدد ۱۶۴	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۶۲۳ھ	جلد ۱۶۹	عدد ۱۶۵	ماہ جمادی الاول
سال ۱۶۲۴ھ	جلد ۱۷۰	عدد ۱۶۶	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۶۲۵ھ	جلد ۱۷۱	عدد ۱۶۷	ماہ شعبان
سال ۱۶۲۶ھ	جلد ۱۷۲	عدد ۱۶۸	ماہ رمضان
سال ۱۶۲۷ھ	جلد ۱۷۳	عدد ۱۶۹	ماہ محرم
سال ۱۶۲۸ھ	جلد ۱۷۴	عدد ۱۷۰	ماہ صفر
سال ۱۶۲۹ھ	جلد ۱۷۵	عدد ۱۷۱	ماہ ربیع الاول
سال ۱۶۳۰ھ	جلد ۱۷۶	عدد ۱۷۲	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۶۳۱ھ	جلد ۱۷۷	عدد ۱۷۳	ماہ جمادی الاول
سال ۱۶۳۲ھ	جلد ۱۷۸	عدد ۱۷۴	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۶۳۳ھ	جلد ۱۷۹	عدد ۱۷۵	ماہ شعبان
سال ۱۶۳۴ھ	جلد ۱۸۰	عدد ۱۷۶	ماہ رمضان
سال ۱۶۳۵ھ	جلد ۱۸۱	عدد ۱۷۷	ماہ محرم
سال ۱۶۳۶ھ	جلد ۱۸۲	عدد ۱۷۸	ماہ صفر
سال ۱۶۳۷ھ	جلد ۱۸۳	عدد ۱۷۹	ماہ ربیع الاول
سال ۱۶۳۸ھ	جلد ۱۸۴	عدد ۱۸۰	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۶۳۹ھ	جلد ۱۸۵	عدد ۱۸۱	ماہ جمادی الاول
سال ۱۶۴۰ھ	جلد ۱۸۶	عدد ۱۸۲	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۶۴۱ھ	جلد ۱۸۷	عدد ۱۸۳	ماہ شعبان
سال ۱۶۴۲ھ	جلد ۱۸۸	عدد ۱۸۴	ماہ رمضان
سال ۱۶۴۳ھ	جلد ۱۸۹	عدد ۱۸۵	ماہ محرم
سال ۱۶۴۴ھ	جلد ۱۹۰	عدد ۱۸۶	ماہ صفر
سال ۱۶۴۵ھ	جلد ۱۹۱	عدد ۱۸۷	ماہ ربیع الاول
سال ۱۶۴۶ھ	جلد ۱۹۲	عدد ۱۸۸	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۶۴۷ھ	جلد ۱۹۳	عدد ۱۸۹	ماہ جمادی الاول
سال ۱۶۴۸ھ	جلد ۱۹۴	عدد ۱۹۰	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۶۴۹ھ	جلد ۱۹۵	عدد ۱۹۱	ماہ شعبان
سال ۱۶۵۰ھ	جلد ۱۹۶	عدد ۱۹۲	ماہ رمضان
سال ۱۶۵۱ھ	جلد ۱۹۷	عدد ۱۹۳	ماہ محرم
سال ۱۶۵۲ھ	جلد ۱۹۸	عدد ۱۹۴	ماہ صفر
سال ۱۶۵۳ھ	جلد ۱۹۹	عدد ۱۹۵	ماہ ربیع الاول
سال ۱۶۵۴ھ	جلد ۲۰۰	عدد ۱۹۶	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۶۵۵ھ	جلد ۲۰۱	عدد ۱۹۷	ماہ جمادی الاول
سال ۱۶۵۶ھ	جلد ۲۰۲	عدد ۱۹۸	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۶۵۷ھ	جلد ۲۰۳	عدد ۱۹۹	ماہ شعبان
سال ۱۶۵۸ھ	جلد ۲۰۴	عدد ۲۰۰	ماہ رمضان
سال ۱۶۵۹ھ	جلد ۲۰۵	عدد ۲۰۱	ماہ محرم
سال ۱۶۶۰ھ	جلد ۲۰۶	عدد ۲۰۲	ماہ صفر
سال ۱۶۶۱ھ	جلد ۲۰۷	عدد ۲۰۳	ماہ ربیع الاول
سال ۱۶۶۲ھ	جلد ۲۰۸	عدد ۲۰۴	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۶۶۳ھ	جلد ۲۰۹	عدد ۲۰۵	ماہ جمادی الاول
سال ۱۶۶۴ھ	جلد ۲۱۰	عدد ۲۰۶	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۶۶۵ھ	جلد ۲۱۱	عدد ۲۰۷	ماہ شعبان
سال ۱۶۶۶ھ	جلد ۲۱۲	عدد ۲۰۸	ماہ رمضان
سال ۱۶۶۷ھ	جلد ۲۱۳	عدد ۲۰۹	ماہ محرم
سال ۱۶۶۸ھ	جلد ۲۱۴	عدد ۲۱۰	ماہ صفر
سال ۱۶۶۹ھ	جلد ۲۱۵	عدد ۲۱۱	ماہ ربیع الاول
سال ۱۶۷۰ھ	جلد ۲۱۶	عدد ۲۱۲	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۶۷۱ھ	جلد ۲۱۷	عدد ۲۱۳	ماہ جمادی الاول
سال ۱۶۷۲ھ	جلد ۲۱۸	عدد ۲۱۴	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۶۷۳ھ	جلد ۲۱۹	عدد ۲۱۵	ماہ شعبان
سال ۱۶۷۴ھ	جلد ۲۲۰	عدد ۲۱۶	ماہ رمضان
سال ۱۶۷۵ھ	جلد ۲۲۱	عدد ۲۱۷	ماہ محرم
سال ۱۶۷۶ھ	جلد ۲۲۲	عدد ۲۱۸	ماہ صفر
سال ۱۶۷۷ھ	جلد ۲۲۳	عدد ۲۱۹	ماہ ربیع الاول
سال ۱۶۷۸ھ	جلد ۲۲۴	عدد ۲۲۰	ماہ ربیع الثانی
سال ۱۶۷۹ھ	جلد ۲۲۵	عدد ۲۲۱	ماہ جمادی الاول
سال ۱۶۸۰ھ	جلد ۲۲۶	عدد ۲۲۲	ماہ جمادی الثانی
سال ۱۶۸۱ھ	جلد ۲۲۷	عدد ۲۲۳	ماہ شعبان
سال ۱۶۸۲ھ	جلد ۲		

سورہ صافات کی تفسیر

از جناب مولوی داؤد اکبر صاحب

وَالصَّافَّاتِ صَفًّا ۖ فَالتَّجَرَّتْ زَجْرًا ۖ فَالتَّلَيَّلَتْ ذِكْرًا ۖ إِنَّ الْهَكْمُ
لَوَاحِدٌ ۖ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبِّ الْمَشَارِقِ ۝

قرآن مجید کے ایک طالب علم نے سورہ صافات کی قسموں کی غرض اور قسم بہ اور قسم علیہں بطور دریافت کیا۔ اس باب میں قبل اس کے کہ ہم اپنی کوئی تحقیق پیش کریں مناسب ہوگا کہ مفسرین کرام کی نگاہ کشف و تحقیق نے ہماری رہنمائی کے لئے جو نقوش چھوڑے ہیں ان کی طرف مراجعت کرنی جائے تاکہ اصل مقصود تک پہنچنے میں کمی نہ ہو۔ پیش نظر سورہ کی قسموں کی بابت یوں تو تمام مفسرین نے کچھ نہ کچھ بحث کی ہے مگر اس بارے میں حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ نے جس تمام و کمال سے تحقیق و تدقیق کی ہے یہ کچھ انہیں کا حق ہے۔ فرماتے ہیں اس میں دو حقائق ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ ان صفات کا موصوف ایک ہی ہو۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ ان صفات کا موصوف مختلف ہو یہی صورت لینے میں اس کی مختلف توجہیں ہوں گی :-

۱۔ ان صفات کے موصوف ملائکہ قرار دیے جائیں۔ اس لحاظ سے تاویل یوں ہوگی۔

الصف۔ وَالصَّافَّاتِ صَفًّا یعنی قسم ہے ان ملائکہ کی جو صف بستہ ہیں۔ ملائکہ یا تو عبارت الہی کے لُصْفِ

آسمانوں میں متعدد رہتے ہیں جیسا کہ انہیں کی زبانی ارشاد ہے وَإِنَّا لَنَعْلَمُ الصَّافَّاتِ ۖ یَا سَیِّدُ صَوَابِ
وہ اپنے روحانی بازو کوں کوٹھنیا میں پھیلائے ہوئے امر خداوندی کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ اور اس کا بھی احتمال
کہ فرشتوں کے صف بستہ ہونے کا یہ مفہوم ہو کہ ملائکہ میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ درجہ معین ہے۔

ب۔ فَالْثَّجِرَاتِ زَجْجِرًا۔ اس کی بھی مختلف توجہیں ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے وہ ملائکہ مراد ہیں جو بادلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے پھرتے ہیں۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ اس سے وہ ملائکہ مراد ہوں گے اللہ تعالیٰ کی صورت سے قلوب انسانی میں تاثیر پیدا کرتے ہیں۔ یا یہ کہ اس سے وہ ملائکہ مراد ہوں جو انسانوں سے ارواح فرشتہ کو دور کیا کرتے ہیں۔ ان اقوال کو بیان کرنا بعد حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ اس دوسری صفت کے متعلق اپنے مخصوص انداز میں فرماتے ہیں :-

”فلسفہ کے نزدیک طے شدہ ہے کہ موجودات کی تین قسمیں ہیں ایک سر یا تاثیر ہے اور وہ خلائق تعالیٰ کی ذات بابرکت ہے۔ دوسرا عالم اجسام ہے اور یہ سرا یا تاثر و انفعال ہے۔ تیسرا عالم ارواح (ملائکہ) ہے اور یہ وہ جماعت قدسی ہے جس میں کار ساز فطرت کی طرف سے تاثر و تاثیر دونوں طرح کی قوتیں ودیعت کی گئی ہیں۔ یہ ایک طرف تو انوار الہی سے فیضیاب ہوتی ہے اور دوسری طرف قلوب انسانی پر بھی اثر ڈالتی ہے“

ج۔ فَالْثَّيِّبَاتِ ذُكُرًا۔ اس میں اشارہ ہے کہ یہی وہ صفت ہے جس سے ملائکہ اپنی روحانیت میں ترقی دیکر عالم اجسام پر اثر ڈالتے ہیں۔ اس کے بعد امام صاحب فرماتے ہیں :-

مقدمہ بالا کی روشنی میں غور کرو تو تم پر یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ پہلی صفت (وَالصَّافَّاتِ) میں اشارہ ہے کہ ملائکہ صفت خداوند تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں سر نیاز خم کئے رہتے ہیں۔ اور یہی وہ طریقہ ہے جس سے ملائکہ انوار الہی اور تجلیات ربانی کے مہبط ہوتے ہیں۔ دوسری صفت (فَالْثَّجِرَاتِ) میں اشارہ ہے کہ جو ہر ملکیت (ملائکہ) مستلوب انسانی پر اثر انداز ہوتے ہیں اور انسانی قویٰ اور ایکہ کے حرکت میں لانے کو ایسے اسباب فراہم کرتے ہیں جو ان کی روحانی زندگی کے لئے ضروری ہیں۔ یہ نظام قدرت کی جانب سے اس لئے ہے کہ ارواح بشری اپنی تکمیل میں ارواح ملکیت کی محتاج ہے اور یہ تو مسلمات میں سے ہے کہ ارواح بشری کی ترقی

طاقتوں کے بالفعل ہونے میں ملاکہ کہتے زبردست ہاتھ ہے۔ یہ محض دعویٰ ہی نہیں بلکہ اس کی سندیں بے شمار دلیلیں بھی پیش کی جاسکتی ہیں چند ملاحظہ ہوں۔

(۱) يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ
عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ....
وہ نازل فرماتا ہے ملاکہ کو روح کے ساتھ اپنے حکم کو اپنے بندوں میں سے جس پر بھی وہ مناسب سمجھتا ہے۔

ایک دوسری جگہ ہے:-

(۲) نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ
روح میں بہترین، نئے تھارکوں پر ات نازل کیا ہے۔

اس کے بعد امام صاحب نے اس آیت سے تعلق ایک اور نہایت لطیف نکتہ بیان فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے:-
حقیقی کمال کسی چیز کو اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب وہ چیز خود مکمل و مکمل ہو مکمل ہونے کا یہ منشا ہے کہ وہ ان تمام خوبیوں سے آراستہ ہو جو اس کے شایان شان ہوں۔ اور مکمل ہونے کا یہ منشا ہے کہ اس کا فیض دوسروں پہنچے۔ اور یہ مکمل ہونے کی مکمل سے مقدم خود اکمال ہونا ہے اس کے بغیر اصلاح و ارشاد بے نفعی ہی ہند پہلی صفت میں اشارہ ہے کہ ملاکہ اپنی مکمل کے لئے نہ ان طاعت الہی میں جہت و تہذیب اور دوسری صفت میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ انسانی قلوب سے تمام کی تمام خرابیاں دور کرنے میں کوشاں رہتے ہیں جو فطرت انسانی کے سرانشرانی ہیں اور تیسری صفت میں اشارہ ہے کہ وہ ارواح بشری کے انوار الہی سے ستیر ہونے میں شریک ہیں۔

۲۔ دوسری توجہ یہ ہے کہ یہ اوصاف گروہ انسانی پر معمول کی جائیں اور اس کی دو کمیں ہیں:-

(۱) وَالصَّفَّاتِ صَفًّا
انسانوں کی وہ صفیں مراد لی جائیں جو نماز کی ادائیگی کے وقت صفت

قائم کی جاتی ہیں، اور قَالَ تَجِيبُ رَجْوًا سے نمازیوں کا اسود ب اللہ پڑھنا مراد لیا جائے گویا اس کلمہ کو نمازی اپنے پاس سے شیاطین کو دور بھگاتے ہیں۔ اور قَالَ تَلْبِيتُ ذِكْرًا سے ان کا نماز میں قرآن پڑھنا مراد لیا جائے۔ دوسری صفت کی ایک اور توجہ بھی بہت مشہور ہے وہ یہ کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ نماز کی نہایت بلند آہنگی کے ساتھ قرآن پڑھتے ہیں جس کی صحت شیاطین کو بھگانا ہے چنانچہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قرأت والی روایت

میں یہی مصلحت مذکور ہے۔

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ اس سے علماء تحقیقین کی وہ صفت بصف جماعت مراد لی جائے جو دین الہی کی تبلیغ میں نہمک رہتی ہے اور دوسری صفت اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اوار و نواہی میں غایت درجہ لچک پی رکھتے ہیں اور تیسری صفت میں اشارہ ہے کہ وہ دین الہی کی تبلیغ بھی کرتے ہیں اور اتباع شرائع پر بھی لوگوں کو ابھارتے ہیں۔

۳۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ ان صفات کو مجاہدین (فی سبیل اللہ) پر منطبق کیا جائے یعنی پہلی صفت سے جنگ کی صفیں مراد لی جائیں اور قرآن پاک میں مذکور بھی ہے کہ رَاتِ اللّٰهُ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهِ صَفًا۔ دوسری صفت سے یہ مقصود ہے کہ وہ آٹھائے جنگ میں گھوڑوں کو ڈانٹ بتاوتی ہیں۔ اور تیسری صفت سے اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ میدان جنگ کی گرامری کے وقت بھی انکی زبانیں یاد الہی سے غافل نہیں ہوتیں۔

۴۔ چوتھی توجیہ یہ ہے کہ یہ صفات آیات قرآنی کی ہیں اور اس کی توجیہ یوں ہوگی کہ قرآن پاک کی آیات متعدد مباحث سے متعلق ہیں۔ کچھ تو وحدانیت اور علم الہی پر مشتمل ہیں اور کچھ قدرت خداوندی اور حکمت بانی کے بارے میں واقع ہیں اور کچھ اخلاقیات و شرائع پر متعلق ہیں۔ خلاصہ یہ کہ پہلی صفت میں آیات قرآنی کو صفت بصف اشخاص کے مشابہ قرار دیا گیا ہے اور دوسری صفت سے ان آیات کی جانب اشارہ ہے جو نواہی پر مشتمل ہیں اور تیسری صفت ان آیات سے متعلق ہے جو اعمال خیر کے وجوب پر مشتمل ہیں۔

اب دوسری صورت تو یہی ہے کہ ان صفات کا موصوف ایک نہیں بلکہ الگ الگ قرار دیا جائے مثلاً پہلی صفت کے موصوف پرندے ہوں جیسا کہ قرآن پاک میں بھی ہے وَالْطَّيْرُ صَفَاتٍ۔ اور دوسری صفت سے وہ تمام کی تمام چیزیں مراد لی جائیں جو موصوف سے روکنے کا ذریعہ ہوں۔ اور تیسری صفت سے (بلا تخصیص) وہ تمام کی تمام باتیں مراد لی جائیں جو کلام الہی میں سے پڑھی جاتی ہیں۔

اس دوسری صورت کے متعلق امام صاحب فرماتے ہیں:-

”خداوند تعالیٰ کی مخلوقات یا تو جسمانی ہیں۔ یا روحانی۔ مخلوقات جسمانیہ کے مختلف مدارج و طبقات ہیں جن میں سر توغیر نہیں ہوتا مثلاً زمین وسط عالم ہے اور کرہ مائی سے محیط ہے۔ پانی ہوا سے محیط ہے اور موائے آگ سے محیط ہے۔ مزید براں یہ کہ عناصر اربعہ طبقات فکلی سے عالم اجسام کے آخری حصہ تک محیط ہیں۔ پس عالم اجسام گویا جلال الہی کے سامنے صفت بصف کھڑا ہے۔ رہے جو اہر روحانیہ ملکیدہ مالمکہ تو وہ باوجود اختلاف مدارج و صفات و صفتوں میں شریک ہیں۔ ایک تو عالم اجسام میں تاثیر و تصریف ہے، جس پر یہ آیت (فَالْوَجُودُ ذُجُجًا) صریحاً دلالت کر رہی ہے۔ اور دوسری صفت خداوند تعالیٰ کی معرفت میں استغراق ہے، چنانچہ فَالْتَّائِيلَاتِ ذُجُجًا میں اتنی کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ عالم اجسام درجہ میں عالم ارواح سے ادنیٰ ہے اور جسمانیات میں تصرف بمقابلہ عالم ارواح کے آسان ہے اس لئے پہلے درجہ میں عالم اجسام کو دکھایا اور دوسرے درجہ میں ان ارواح طیبہ کو رکھا جو عالم اجسام پر تصرف کرتے ہیں اور تیسرے درجہ میں ان ارواح مقدسہ کو دکھا ہے جو ہمہ تن خدا کی تسبیح و تہلیل میں لگی رہتی ہیں“

اس کے بعد امام موصوف نے دوائے گروہوں کے اقوال نقل کیے ہیں جن میں سے ایک کا خیال ہے کہ نفس اشیاء مذکورہ قسم بہ نہیں ہیں بلکہ ان اشیاء کا خالق مقسم بہ ہو۔ اور دوسرے فریق کے نزدیک نفس اشیاء مذکورہ ہی مقسم بہ ہیں۔ چونکہ امام موصوف نے ہر دو فریق کے اقوال کے نقل کر دینے ہی پر اکتفا کیا ہے اور اپنی کوئی رائے نہیں لکھی ہے اس لئے ہم اس بحث کی تفصیل پیش کر ذی چنداں ضرورت نہیں سمجھتے۔ حضرت امام رازیؒ نے اس سلسلہ میں ایک اور نہایت اہم بحث کی ہے جس کا ایک طالب قرآن کے سامنے ہونا نہایت ضروری ہے اور وہ اس موقع پر قسم کھانے کی ضرورت باعدم ضرورت کا مسئلہ ہے۔ اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں دو طرح کے شبہات پیدا ہوتے ہیں:-

(۱) ایک یہ کہ قسم کا مقصود یا تو مومن سے کوئی بات منوانا ہو سکتا ہے یا کافر سے۔ پہلی صورت تو باطل ہے اس لئے کہ مومن تو بغیر قسم ہی کے تسلیم کئے ہوئے ہے۔ اور دوسری صورت بھی باطل ہے اس لئے کہ منکر آپ کی بات قسم کھانے سے تسلیم کرے گا بلکہ اسے دیں ہی سے قائل کیا جاسکتا ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ خداوند تعالیٰ نے اس سورہ کے شروع میں وحدانیت پر قسم کھائی ہے اور سورہ ذاریات کے اوائل میں وقوع قیامت کے ثبوت میں قسم کھائی ہے۔ ان مطالب عالیہ کو (ملاحظہ و دہر یہ کے اوہام باطلہ کی تردید کے ساتھ) قسم کے ذریعہ سے ثابت کرنا عقلاً کے طریقہ کمزوری ہے۔ ان شبہات کے تین جواب ہو سکتے ہیں:-

(۱) خداوند تعالیٰ نے وحدانیت اور بعث و قیامت کو زیادہ تر ابتدائی سورتوں میں یقینی دلائل کے ساتھ ثابت کر دیا ہے۔ پھر جب لائل قطعیہ پوری طرح بیان کر دے گئے تو دلائل سابق کی تائید کے لئے قسم کھائی گئی خصوصاً قرآن تو عربوں کی زبان میں نازل ہوا ہے اور قسم کے ذریعہ سے کلام میں زویدہ کرنا ان کے ہاں کا عام طریقہ تھا۔

(۲) دوسرے یہ کہ جب خداوند تعالیٰ نے ان چیزوں سے وحدانیت کے ثبوت پر قسم کھائی تو اس متصل ہی ان براہین قاطعہ کا بھی ذکر کیا جو وحدانیت کے باب میں نہایت روشن دلائل ہیں۔ یعنی فرمایا: **دَبَّ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ**۔ یہ قول اس بنا پر دلیل ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے اس قول میں (لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا) بیان فرمایا ہے کہ آسمان و زمین کا نظام وحدانیت پر شاہد ہے بعینہ یہاں بھی جب یہ کہا گیا کہ (إِنَّ إِلَهُكُمْ لَوَاحِدٌ) تو اس کے متصل ہی بطور دلیل کے یہ بیان کیا گیا (دَبَّ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ) گویا یوں کہا گیا کہ آسمان و زمین کے نظام میں تفکر توحید باری پر شاہد ہے۔ پس اے لوگو! اس دلیل میں غور کرو تاکہ تمہیں توحید کا اذعان حاصل ہو۔

(۳) یہ کلام بت پرستوں کے اعتقاد کثرتِ آہہ کے ابطال میں واقع ہے۔ گویا یوں کہا گیا کہ بت پرستوں کا مسلک اتنا بودا ہے کہ اس کے ابطال کے لئے تاکید کے ساتھ بس اتنا ہی کہہ دینا کافی ہو کر تھا اور خدا ایک ہے۔ حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ نے ان آیات سے متعلق جو کچھ فرمایا ہے اسے اجمالاً تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے :-

(۱) مقسم بہ کی تعیین

(۲) مقسم بہ اشیا مذکورہ ہی ہیں یا اس کے علاوہ کوئی دیگر شے ہے؟

(۳) مقسم بہ کا مقصود اس موقع پر کیا ہے؟

امام موصوف نے مقسم بہ کے بارے میں بہت سی صورتیں بیان فرمادی ہیں، مگر مقسم بہ اور مقسم علیہ میں مناسبت ڈھونڈنے کی کوشش نہیں فرمائی، اس لیے بحرِ احتمالات کے نقل کرنے کے کوئی قطعی اور محکم رائے بھی ظاہر نہ کی۔ ممکن ہے ایسا اس لئے کیا ہو کہ اس سے طلبہ قرآن میں سخت وجہ افتخانی سے صحیح راہ تلاش کرنے کی قوت پیدا ہو۔ رہی یہ بحث کہ مقسم بنفس اشیا مذکورہ ہیں یا ان کے علاوہ کوئی دیگر چیز ہے تو ہم نے جہاں تک غور کیا ہے اسی تجربہ پر پہنچے ہیں کہ قرآن مجید میں قسم کھانے کی غایت و غرض پوری طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ بحث پیدا ہو گئی ورنہ یہ مضمر شہود پر نہ آتی۔ اسی وجہ سے یہ سوال بھی پیدا ہوا کہ اس موقع پر قسم کھانا مناسب تھا یا نہیں یا یہ کہ یہاں پر قسم کھانے میں کیا مصالح ہیں؟ امام موصوف نے پہلے تو اس موقع پر قسم کھانے میں چند درجہ جہتیں بیان فرمائی ہیں۔ اس کے بعد ان رجحانوں کے مختلف حل بتائے ہیں لیکن ایک صاحب بصیرت کے یونیدہ نہیں کہ امام موصوف کے ان جوابات میں بہت ہی تضاد ہے۔ مثلاً پہلو جو کچھ علاوہ یہ ہے کہ قسم دلائل سے مبوق ہوا کرتی ہے، اور اصل اعتبار دلائل کا ہے، اور قسم تو محض عربوں کے عام طریقہ کے مطابق محض تاکید کے لئے لائی جاتی ہے۔ غور کیجئے کہ ترتیب قرآن سے یہ جواب کتنا بعد ہے اس لئے کہ قسم تو زیادہ قرآن سورتوں میں آئی ہیں جو پہلے نازل ہوئیں۔ اور دلائل بعد کی سورتوں

میں بیان ہوئے ہیں۔ امام موصوف کے دوسرے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ قسم کے بعد اس موقع پر ایک ایسا قول مذکور ہے جس میں حجت و برہان کا بہت ہی زبردست پہلو ہے، اور قسم محض تنبیہ کے لئے ہے۔ دیکھیے! اس جواب میں اور تامل و اس میں کیا سر بھی فرق ہے؟ اور دونوں میں سے کیا ایک میں بھی اصل مسئلہ متعلق کچھ کہا گیا ہے؟ تیسرا جواب تو بہت ہی گرامر ہے وہ اس لئے کہ پہلے دونوں جوابوں میں تو امام موصوف نے یہ دعویٰ کیا کہ قسم میں شہادت کا کوئی پہلو نہیں اور تیسرے جواب میں اس کا حجت ہونا خود ہی تسلیم کر لیا ہے گو کہ پہلے درجہ کی حجت و دلیل۔

ذیل کی سطروں میں اب ہم تقسیم بہ کی تعیین قسم کی اس موقع پر ضرورت، اور تقسیم بہ اور قسم علیہ میں سبب کی بابت اپنی رائے پیش کریں گے لیکن مناسب ہوگا کہ قبل اس کے کہ ان مباحث کی تحقیق میں آپریں ایک نہایت ضروری مرحلے سے گزر لیا جائے اور وہ پیش نظر سورہ کی قسموں کے عود کی تعیین ہے۔

سورہ کا مرکز | پیش نظر سورہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ توحید اور قیامت کے نبوت میں واقع ہے۔ ایک طرف تو اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا میں جتنی بھی مخلوقات ہیں ان میں سے ہر ایک خدا کی بے پایاں قدرت کا مظہر ہے۔ کوئی چیز اس سے بے نیاز ہو کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ ہر ایک کی ضروریات کا مرکز وہی ہے۔ اس کے علاوہ تمام کے تمام رشتے بنے معنی ہیں۔ مخلوقات کی احتیاج بالخصوص حضرت انسان کی ضروریات ہیں پختہ نہیں ہوں بلکہ کل کی زندگی میں جب خدا کی عدالت عالیہ قائم ہوگی تو وہ رحمت و فضل کا اور زیادہ محتاج ہوگا۔ الغرض اگر یہ سورہ غور سے پڑھی جائے تو شخص کو بادی تامل نظر آسکتا ہے کہ پوری سورہ میں ہی دونوں حقیقتیں پھیلی ہوئی ہیں۔

مقسم علیہ کی تعیین کے بعد اب ہم تقسیم بہ کی شرح تعیین کریں گے۔

مقسم بہ کی شرح و تعیین | وَالصَّٰفَّٰتِ صَفًّا فَالْزَّٰجِرَاتِ زَجْرًا

۱۔ ماغوذ از احسان فی اقسام القرآن مضاف صاحب نظام القرآن صفحہ ۶۔

فَالْثَّالِثِيَّةِ ذِكْرًا، تفسیروں کے ہتھکڑے معلوم ہوتا ہے کہ مفسرین میں سے بیشتر لوگوں کا ان اوصاف کے بارے میں یہ خیال ہے کہ ان کا موصوف گر وہ ملائکہ ہے۔ ہمارے نزدیک بھی یہی صورت انسب ہے اس کے علاوہ جتنی صورتیں مذکور ہیں ان میں سے کوئی بھی چسپاں نہیں ہوتی۔ وجہ ترجیح ثنثا کی بحث سے سمجھیں آجائیں گے۔

قسم کی غرض | اوپر کی سطور سے قسم کی تعیین ہوگئی۔ ہا یہ سول کہ اس موقع پر ہم کیوں لائی گئی؟ اس کا وہ جواب انسب نہیں جو حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ نے اختیار کیا ہے بلکہ اس باب میں صاحب نظام القرآن نے قسم کا جو مفہوم بیان کیا ہے اگر اسے سامنے رکھا جائے تو وہ تمام کی تمام ذمتیں جو امام موصوف کے جواب سے پیدا ہو جاتی ہیں یکقلم دور ہو جائیں گی یعنی یہ کہ قسم کا اصل مقصود استنشاء ہے۔ تعظیم و احترام کا پہلو انہیں مواقع پر ہوگا جہاں خداوند تعالیٰ ذات بابرکت یا اس کے شعائر کی قسم کھائی گئی ہو۔ اور اس صورت میں بھی تعظیمی پہلو ضروری ہوگا۔ اصل مقصد استنشاء و استدلال ہی ہوگا۔ کلام عرب سے بھی اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔ تفصیل کے لئے امعان فی اقسام القرآن کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

سطور بالا سے قسم کی تعیین اور قسم کی حقیقت اجما سمجھیں آگئی ہوگی۔ اب ہم قسم بہ اور قسم علیہ میں مناسبت دریافت کریں گے۔

قسم بہ اور قسم علیہ میں مناسبت | یہ بیان ہو چکا ہے کہ پیش نظر سورہ توحید و قیامت کے ثبوت میں واقع ہے یعنی یہ کہ اس عالم میں جتنے بھی انقلابات و تغیرات ہوتے ہیں سب کام کرکرمض ایک ذات ہے۔ وہی سب کچھ کرتی ہے۔ اس کے ایما کے بغیر کوئی تبدیلی بھی ظہور میں نہیں آسکتی۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکت ہے۔ ایسی ذات جس کی قدرت و تصرف کے بے شمار مظاہر ہیں، ضرور بالضرور اس نے اس عالم کی پیدائش کی کوئی اہم غایت رکھی ہوگی۔ اسی کو قرآن قیامت سے تعبیر کرتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ پیش نظر سورہ کے دعویٰ اور دلیل میں کوئی مناسبت ہے یا نہیں؟

قرآن مجید کے طالب علم سے مخفی نہیں کہ قرآن پاک میں بے شمار ایسی آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ بخلہ جنود الہی ہیں۔ ذیل کی آیتوں پر غور کیجئے :-

سورہ انفال میں ہے :-

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَبَ لَكُمْ
إِنِّي مُخَوِّدٌ لَّهُمْ بِاللَّيْلِ مِنَ الْمَلَكِ مَكْرُومًا
وَمَا لَكُمْ لَئِنْ أَتَاكُمُ الْمَلَكُ لَا تَسْمَعُوا لَهُ
قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ
إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ إِذْ يُغَشِّيكُمُ اللَّيْلُ
أَمْنَةً مِنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً
فَيُطَهِّرُ بِهِ وَفِيهِ آيَاتٌ لِّعِبَادِهِ
الضُّلَّالِينَ وَلِيُطَهِّرَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ
بِهِ الْأَقْدَامَ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ
إِنِّي مَعَكُمْ فَتَيَبُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَالِفٌ
فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالرَّعْبُ
فَاصْرِبُوا أَوْفَ الْأَعْنَاقِ وَاصْرِبُوا
مِنْهُمْ كُلَّ بَنَاتٍ (رکوع اول)

ایک دوسری جگہ ہے :-

ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى
رَسُولِهِ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودَ الْأَمْرِ

یاد کرو اس وقت کو جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کرتے
تھے پس اس نے تمہاری فریادیں کی کہ میں ان کا تارہزار فرشتوں کو
تمہاری مدد کروں گا اور خدا نے فرشتوں کی مدد تمہیں بخش کرنے
کیلئے کی ورنہ فتح تو خدا ہی کے ہاتھ میں ہے بیشک خدا غالب
اور حکمت والا ہے یاد کرو اس وقت کو جب کہ خدا تمہاری
تسلیمت کیلئے نیک قدم پر طاری کرتا تھا اور اسان تم پر پانی برسا
تھا کہ اس سے تم کو پاک کرے اور فسطائی گندگی تم سے دور کرے
اور بنا کہ تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھے اور اس کے
ذریعہ سے تمہارے قدم جمائے رکھے، یاد کرو اس وقت کو
جب کہ تمہارا پروردگار فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ ہم
تمہارے ساتھ ہیں پس تم مسلمانوں کے قدم جمائے
رکھو، قریب کا فروسک دل میں بٹبٹالیں پس ارگردلوں
پر اور ان کے پور پور پر۔

پھر خدا نے اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر نازل فرمائی
اور غیر مومن بھیجیں اور کافروں کو سخت مار مارے

تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَذَلَّكَ
جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝ (توبہ - ۲۱)

ایک دوسرے موقع پر ہے :-

إِلَّا تَصْرِفْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ
إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ
إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ
إِنَّا اللَّهُ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ
وَأَبَدَهُ يَمْحُودٌ ثُمَّ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ
الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَى وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا
وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ (توبہ - ۶)

کہ دیا اور خدا ہی کا بول بالا ہے اور خدا غالب حکمت والا ہے۔

ایک اور مقام پر ہے :-

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ إِنِّي مَكْفِيكُمْ
أَنْ يَمُوتَ كَوْمًا يَكُونُ ثَلَاثَةٌ أَوْ يَكُونُ ثَلَاثَةً
مُؤْمِنِينَ ۝ بَلْ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا ۝
يَأْتِكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَذَا بَعْدَ مَا كُفِّرَكُمْ
بِمَنَسَةِ الْإِثْمِ مِنَ الْمَلِكَةِ مَسْبُومِينَ

(آل عمران - ۱۳)

سورہ ذاریات میں ہے :-

اور کافروں کی یہی جزا ہے۔

اگر تم اس کی مدد نہ کرو (تو کچھ پروا نہیں) اس لئے کہ اس نے
اس وقت اپنے رسول کی مدد کی تھی جب کافروں نے
گھر سے باہر نکال دیا۔ وہیں دوسرے اس وقت یہ
دونوں غاریں تھے، یاد کرو اس وقت کو جبکہ وہ اپنے
رفیق سے کہہ رہے تھے کہ ہم نے اپنی تسی اس پر نازل فرمائی اور غیر مرئی
افواج سے اس کی مدد کی اور کافروں کی بات کو ٹیٹھی

یاد کرو جبکہ تم مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لئے
یہ سن نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے تمہاری
مدد کرے ضرور، بلکہ اگر تم ثابت قدم رہو اور تقویٰ اختیار
کر دو اور دشمن اسی دم تم پر چڑھ دوڑیں تو تمہارا پروردگار
پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ ۝
 قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَى قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ۚ يَدْعُونَ
 عَلَيْهِمْ حِجَارًا مِّنْ طِينٍ مُّسْوَمَةً ۖ عِنْدَ
 رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ۝ (رکوع ۲)

کہا تمہاری کیا ہم ہے لے فرستادگان .. وہ بولے ہم ایک
 گنہگار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ان پر پتھر دو کریں جو
 مسرفین کے لئے خدا کے یہاں نامزد ہے

مذکورہ بالا آیات میں تصریح ہے کہ خدا کی غیر مرئی فوجوں میں سے ملائکہ بھی ہیں اور اس غیر مرئی فوج کے
 بارہا اس نے حق پرستوں کی تائید کی ہے، اور پرستانِ باطل کو پسا کیا ہے۔ ایسا تقریباً ہر پیغمبر کے عہد میں ہوا ہے۔
 قرآنی تصریح کے بعد مزید دلائل کی ضرورت نہیں۔

ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ مناسب کسے سلسلہ میں جو کچھ تم نے کہا ہے اس سے اصل سوال توصل نہ ہوا؟ واقعی ایسا
 ہی ہو لیکن جب مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں غور کیا جائے گا تو ہر شخص تسلیم کرے گا کہ دنیا میں رحمتِ او
 نفقت کے بے شمار مظاہر فرشتوں کے ہاتھوں ظہور میں آتے ہیں۔ فرشتے ہی تھے جو حضرت ابراہیم کے پاس پیام
 بشارت لائے تھے۔ اور یہی فرشتے قومِ لوط کے لئے صافحہِ ہلاکت ثابت ہوئے۔ اور یہی فرشتے تھے جو قرنِ اول میں خلائفہ
 کے پہلو بہ پہلو حزبِ الشیطان سے برسرِ پیکار نظر آتے تھے۔ انحضرتِ ملائکہ کے ہاتھوں دنیا میں جو رحمت و نفقت ظہور میں آتی ہے
 اس میں وحدانیت اور عدالتِ کبریٰ کے ثبوت پر کافی شہادت ہو۔ وہ اس طرح کہ ملائکہ کا پرستار ان حق کے پہلو بہ
 پہلو احقِ حق اور استیصالِ باطل میں جد و جہد کرنا دلیل ہو اس امر پر کہ کسی کے ماتحت ہیں اور یہ ان تمام لوگوں کے
 دشمن ہیں جو حدودِ داندلسہ کسرشی کرتے ہیں، اور ان لوگوں کے دوست ہیں جو خدا کی سر زمین پر رش و بلایت کی
 تبلیغ کرتے ہیں نیز یہ کہ فرشتوں کا رول میں جو تضاد پایا جاتا ہے یعنی مومن کو گناہ کی شفقت و ہمدی خواہی تاہم کفر و ایمان کے
 تقابلیان کی تندی و سختی یہ شاہد ہو اس امر پر کہ وہ یہی نقشہ (تفریقِ بین الصالح والمفید) قیامت کے دن بھی پیش آئے گا۔

لہٰذا قرآن مجید میں ایسی آیات ہیں جن کو معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ کثیر دین کے حق میں مددگار و ظالم لعنت کرتے ہیں اور مومنین
 کے لئے بالگاہِ الہی میں رحمت کی دعا کرتے ہیں اور ظلم غالب یہ ہو کہ پیش نظر سورہ میں قَالَتِ ابْنَةُ ۚ ذُو ۚ تَسْ اسی حقیقت کی طرف
 اشارہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

داعی اکبر اصلاحی

رسائل و مسائل

صفات باری تعالیٰ

لکھنؤ کے ایک مسلمان لکھتے ہیں:-

”میں ان لوگوں میں زندگی کے بہترین اوقات صرف کر رہا ہوں جو ان مذہب میں اوتوہا
وہی گمراہ نہیں ہیں بلکہ ہمارے کو وہ گمراہ کرنے رہتے ہیں۔ میں ان میں رہتا ہوں اور اس
نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان تمام تر گمراہیوں کا منشا صرف دین سے ناواقفیت ہے اور اس۔

فضا اور ماحول کو دیکھتے ہوئے میرا دل بہترین توقعات سے بھر رہا ہے۔ میں کچھ کام کر چکا
ہوں، کچھ کر رہا ہوں اور آئندہ بھی مجھے کچھ کرنا ہے۔ اس سلسلہ کی ایک ٹری یہ بھی ہے کہ میں آپ کے
اپنی امداد کے لئے تکلیف دینی چاہتا ہوں، اس لئے کہ مجھے ہو کام لینا ہے آپ کے سوا اس کا کوئی
دوسرا اہل نظر نہیں آتا۔

خدا کے وجود کا ہر شخص کو اعتراف ہے، خواہ وہ کوئی مذہبی انسان ہو یا دہریہ، کوئی فاطمہ کشا
اور کوئی فطرت۔ صرف الفاظ کے گوارا کے لئے، سندس ہیں، منہجوں سے بیکار واحد ہے لیکن سمان خدا کو
”بانا و نوزدہ“ صفات کے تسلیم کرتے ہیں۔

مجھے ”وجود خدا“ میں ہر صفات“ کے دلائل درکار ہیں۔ ایک ایسے ہوا چند دلائل ایسے ہیں
اور مضبوط ہوں کہ اسے ”جدید روشنی“ خیرہ نہ کر سکے۔ مختصر میں اور جامع۔۔۔ بس۔“

ترجمان القرآن۔ باری تعالیٰ کے ۹۹ اسماء تو وہ ہیں جو ہمیں بتائے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ

بے حد و حساب اسرارِ حق ہی جن کا ہمیں علم نہیں۔ حدیث میں آیا ہے اسئلک بکل اسم ہو لک
و تمیت به نفسک او انزلتہ فی کتابک او استأثرت به فی علم الغیب عندک پس
۹۹ کی تخفیس درست نہیں۔

مخلص وجود باری کا اقرار صحت ایمان کے لئے کافی نہیں ہے۔ کم از کم ان صفات کا علم و ادراک ضروری ہے جن کی تصریح قرآن میں ہے۔ مثلاً العَلِیْن، الرَّحْمٰن، الرَّحِیْم، الْقَبِیْر، وَجْهِر، فَعَالٌ لِّمَا یُرِیدُ، دِیَّانٌ مُّقْتَدِمٌ غَیْرِہ۔ اس لئے کہ صحت ایمان اور صحت عمل کا تمام تر انحصار اس امر پر ہے کہ خدا اور کائنات، اور خدا اور انسان کے تعلق کی حقیقی نوعیت ہمیں معلوم ہو، اور یہ اسماء صفات اسی نوعیت کو واضح کرتے ہیں۔ جو شخص مثلاً وجود باری کا مقربہ مگر یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کو پیدا کر کے فارغ ہو بیٹھا ہے، اور خدا اور اس کائنات کا نظم و نسق خود بخود بالاتیقلال (INDEPENDENTLY) چل رہا ہے، اور اس کے انتظام سے بالفعل خدا کا فرمانروایانہ تعلق نہیں ہے۔ اس کا خدا کو نامناسبی ہے۔ وہ گویا خدا کو اس طرح نامناسب جس طرح ایک موٹر خریدنے والا اس بات کو نامناسب ہے کہ اس کا میکرو فوڈ یا آسٹن ہے۔ ظاہر ہے کہ اس ماننے سے موٹر کے ساتھ اس کا معاملہ اور رہتا مؤمنین یا کسی طور پر بھی متاثر نہیں ہوتا۔ اسی طرح مخلص یہ ماننے سے کہ کائنات کا اور خود انسان کا میکرو خدا ہے، کائنات کے ساتھ اور خود اپنے وجود کے ساتھ انسان کے معاملہ کی نوعیت بھی متین نہیں ہوتی۔ کسی طور پر متاثر ہوتی ہے۔ اسلام کا مقصد تو صرف اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب انسان اپنے ساتھ اور سارے عالم کے ساتھ باری تعالیٰ کے تعلق کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ لے۔ اسے معلوم ہونا چاہئے کہ باری تعالیٰ قیوم ہے، فعال لما یرید، رب ہے، علیم وخبیر ہے، قاهر فوق عبادہ ہے، ظالم نہیں ہے بلکہ رحمن ورحیم ہے، حکیم ہے (یعنی اس کے لئے خدا یا میں تجھ سے دعا کرتا ہوں ہر اس نام کے ساتھ جو یرا ہے جس تو نے اپنے آپ کو دوسم کیا ہے۔ یا ہے۔ اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے، یا جو یرے علم غیب میں ہے اور بندوں کو تو نے اس کی خبر نہیں دی ہے۔

کوئی فعل عبث نہیں ہو سکتا، یوم الدین کا مالک ہے (یعنی اس کی عدالت میں ہم سب کو اکیلے
حاضر ہونا اور اپنی دنیوی زندگی کا پورا حساب پیش کرنا ہے)، وغیر ذالک۔ یہ علم دنیا کی زندگی میں
ہمارے طرز عمل کو کسی اور صورت سے معین کرے گا، اور اگر ہم اس علم سے خالی ہوں، یا اس علم میں
نقص ہو تو ہمارا طرز عمل لازمی طور پر کوئی دوسری ہی صورت اختیار کر لے گا۔ مثلاً جو شخص نہیں جانتا
کہ اس ملک کا کوئی بادشاہ ہے اس کا طرز عمل اس شخص سے مختلف ہو گا جو جانتا ہے کہ یہ ملک کسی
بادشاہ کا ہے۔ اور جو شخص جانتا ہے کہ بادشاہ ہے مگر یہ سمجھتا ہے کہ وہ بے اختیار ہے، بالفعل مگر
نہیں ہے، اپنے محل میں پڑا سوتا رہتا ہے، اور حقیقی حکمرانی کے اختیارات کچھ دوسرے لوگوں کو حاصل
ہیں یا رعایا فرداً فرداً مختار ہے، اس کا طرز عمل اس شخص سے مختلف ہو گا جسے معلوم ہے کہ بادشاہ بالفعل
حاکم ہے اور قیاد مطلق ہے اور کوئی اس کی حکومت میں دخل نہیں۔ اسی طرح جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ
بادشاہ کے ہاں جانب داری (FAVOURITISM) کا دور دورہ ہے اس کا طرز عمل کچھ اور
ہو گا، اور جو یہ سمجھتا ہے کہ بادشاہ بے لاگ حکومت کرنے والا ہے، اور کسی کے ساتھ اس کا خصوصی
تعلق نہیں ہے اس کا طرز عمل کچھ اور ہو گا۔ وقس علیٰ ہذا۔

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ باری تعالیٰ کی جو صفات ہم مانتے ہیں ان کے لئے دلیل کیا ہے میں عرض
کرتا ہوں کہ اس کی دلیل اتنی روشن ہے کہ آنکھ کھولتے ہی نظر آ سکتی ہے بشرطیکہ بنیائی ہوا و بنیائی کائرٹ سے
مرکز فہم و ادراک سے ٹوٹ نہ گیا ہو۔

آپ کے سامنے ایک کرسی رکھی ہے۔ اس کا بنانے والا آپ کے سامنے نہیں ہے مگر آپ محض کرسی کو دیکھ کر
اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ اس کو بنانے والے میں حیات، قدرت، ارادہ، بصارت، حس، شعور، حکمت
وغیرہ ضرور موجود ہوں گی ورنہ وہ اس کرسی کو نہیں بنا سکتا تھا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ صانع کی صفات
کو جاننے کے لئے اس کی صنعت کو دیکھنا اور غور کرنا کافی ہے۔ اب یہ عظیم الشان کارخانہ جس کا نام کائنات ہے

آپ کے سامنے کھلا ہوا ہے اور سرانِ نسبتِ نئی شان سے چل رہا ہے۔ اس کو دیکھئے اور اس میں تفکر کیجئے۔ آپ کا دل خود ہی گواہی دے گا کہ اس کے صانع میں فلاں اور فلاں صفات کا ہونا ضروری ہے۔ بعض صفات بالکل صریح طور پر اول نظر میں معلوم ہو جاتی ہیں، مثلاً ربوبیت، حکمت، علم، قدرت وغیرہ بعض صفات تھوڑے یا بہت تامل سے سمجھ میں آتی ہیں، مثلاً رحمانیت۔ اور بعض صفات ایسی ہیں جن کے متعلق مشاہدہ اور تفکر کے بعد بھی علم یقین حاصل نہیں ہوتا۔ اس علم یقین کے حصول کا ذریعہ صاف کی خبر کے سوا کوئی نہیں۔ مثلاً باری تعالیٰ کا دیان (جزا دینے والا) ہونا کہ جب تک نبی صادق اس کی خبر نہ دے، بڑے سے بڑا صحیح الفکر آدمی بھی اس کے متعلق حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ آثار کا مشاہدہ اور تفکر فی خلق السموات والارض زیادہ سے زیادہ اسے امکانِ دینونت تک، یا حدتِ حدرجان دینونت تک لے جا کر چھوڑ دیتا ہے۔ وہ آفاق و انفس میں خدا کی کاریگری کے نشانات دیکھ کر اس حد تک تو کہہ سکتا کہ ایسی حکمت کے ساتھ جس نے ہمیں بنایا ہے اس کا فعلِ عبث تو نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ اس زندگی کو ختم ہونے پر وہ ہمارے کارنامہ حیات کا حاسب اور جزا و سزا دے، اور غلب ہے کہ ایسا ہو لیکن اس اعتقاد کا جزم و یقین، اور حباب و کتاب کی کیفیت کا صحیح علم مجرد تفکر سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے نبی کی ہدایت ناگزیر ہے۔

خطبات جمعہ

خطبہ صیام

الحمد لله، نسبحك ونستعينك ونستغفر ونؤمن بك ونفعل ما نحبك ونطيق ما نؤمر ونعوذ بك من شر ما نكره ونفلسنا وسيتيات اعمالنا من بعدك اللهم فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له - واشهد ان سيدنا محمدًا عبده ورسوله -

ہر تعریف اللہ کے لئے ہے اور اللہ ہی کو پہنچتی ہے۔ ہم اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں، اس سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں، اس پر ایمان لاتے ہیں، اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ہم کو خود اپنے نفس کی شرارتوں اور اعمال کی برائیوں سے بچائے۔ اللہ جس کو ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، اور اللہ ہی جس کو ہدایت نہ دے اسے کوئی سیدھے رستے پر نہیں لگا سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس اکیلے خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور کوئی اس کا شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بند اور اس کے رسول ہیں۔ برادران اسلام! ہر کام جو انسان کرتا ہے، اس میں دو چیزیں لازمی طور پر ہوا کرتی ہیں۔ ایک چیز تو وہ مقصد ہے جس کے لئے کام کیا جاتا ہے، اور دوسری چیز وہ خاص صورت عمل ہے جو اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اختیار کی جاتی ہے۔ مثلاً کھانا کھانے کے فعل کو لیجئے۔ کھانے سے آپ کا مقصد زندہ

رہنا اور جسم کی طاقت کو بحال رکھنا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ آپ نوازے بناتے ہیں،
 منہ میں لے جاتے ہیں، دانتوں سے چباتے ہیں اور حلق کے نیچے اتارتے ہیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے
 کے لئے سب زیادہ کارگر اور سب زیادہ مناسب طریقہ یہی ہو سکتا تھا، اس لئے آپ نے اسی کو اختیار کیا۔ لیکن
 آپ میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ اصل چیز وہ مقصد ہے جس کے لئے کھانا کھایا جاتا ہے، نہ کہ کھانے کے فعل کی
 صورت۔ اگر کوئی شخص کھڑی کا بارہ یا رکھ یا ٹی لے کر اس کے نوازے بنائے اور منہ میں لے جائے اور دانتوں
 چبا کر حلق کے نیچے اتارتے تو آپ اسے کیا کہیں گے؟ یہی ناکہ اس کا دماغ خراب ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ
 احمق کھانے کے اصل مقصد کو نہیں سمجھتا اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ بس فعل خوردن کے ان چاروں
 ارکان کو ادا کر دینے ہی کا نام کھانا کھانا ہے۔ اسی طرح آپ اس شخص کو بھی پاگل قرار دیں گے جو روٹی کھانے کے
 بعد فوراً ہی حلق میں اٹکی ڈال کرتے کر دیتا ہو اور بیچڑ سکایت کرتا ہو کہ روٹی کھانے کے جو فائدے بیان کئے
 جاتے ہیں وہ تو مجھے حاصل ہی نہیں ہوتے، بلکہ میں تو اٹا اور زبرد و زبلا ہوتا جا رہا ہوں اور مرجانے کی نوبت
 آگئی ہے۔ یا احمق اپنی اس کمزوری کا الزام روٹی اور کھانے پر رکھتا ہے، حالانکہ حقاقت اس کی اپنی جو اس
 اپنی نادانی سے یہ سمجھ لیا کہ کھانے کا فعل جتنے ارکان سے مرکب ہے، ان کو ادا کر دینے ہی سے زندگی کی طاقت
 حاصل ہو جاتی ہے، اس لئے اس سوچنا کہ اب روٹی کا بوجھ اپنے معے میں کیوں رکھو؟ کیوں نہ لے سکاں؟ کیا
 جائے تاکہ پیٹ ہلکا ہو جائے، کھانے کے ارکان تو میں ادا کر ہی چکا ہوں۔ یہ سمجھنا خیال جو اس قائم کیا
 اور اس کی پیروی کی اس کی سزا بھی ظاہر ہے کہ اسی کو بھگتنی چاہئے۔ اس کو جاننا چاہئے تھا کہ جب تک روٹی
 پیٹ میں جا کر مضمن نہ ہو، اور خون بن کر سارے جسم میں پھیل نہ جائے، اس وقت تک زندگی کی طاقت نہیں
 ہو سکتی۔ کھانے کے ظاہری ارکان بھی اگر یہ ضروری ہیں، کیونکہ ان کے بغیر روٹی حد سے مکمل نہیں پہنچ سکتی،
 مگر محض ان ظاہری ارکان سے کام نہیں چل سکتا۔ ان ارکان میں کوئی جادو بھرا ہوا نہیں ہے کہ نہیں
 ادا کرنے سے بس علماتی طریقہ پر آدمی کی رگوں میں خون دوڑنے لگتا ہو۔ خون پیدا کرنے کے لئے تو اللہ نے

جو قانون بنایا ہے اسی کے مطابق وہ پیدا ہوگا۔ اس کو توڑو گے تو اپنے آپ کو خود ہلاک کرو گے۔
یہ مثال جو اس تفصیل کے ساتھ میں نے آپ کے سامنے بیان کی ہے اس پر آپ غور کریں تو آپ کی
سمجھ میں آ سکتا ہے کہ آج آپ کی عبادتیں کیوں بے اثر ہو گئی ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے بھی آپ کے بارہا بیان
کر چکا ہوں سب سے بڑی غلطی یہی ہے کہ اپنے نماز روزے کے ارکان اور ان کی ظاہری صورتوں ہی کو اصل عبادت
سمجھ رکھا ہے اور آپ شیخ الغلام میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ جس نے یہ ارکان پوری طرح ادا کر دیئے اسے بس
اللہ کی عبادت کر دی۔ آپ کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کھانے کے چاروں ارکان، یعنی نواسے بنانا، ہنہ
میں رکھنا، چبانا، اور حلق کے نیچے اتار دینا، بس انہی چاروں کے مجموعے کو کھانا سمجھتا ہے، اور یہ خیال
کرتا ہے کہ جس نے یہ چار ارکان ادا کر دیئے اس نے کھانا کھالیا اور کھانے کے فائدے اس کو حاصل ہونے
چاہئیں، خواہ اس نے ان ارکان کے ساتھ مٹی اور پتھر اپنے پیٹ میں اتارے ہوں، یا روٹی کھا کر نوز
تے کر دی ہو۔ اگر حقیقت میں آپ لوگ اس حماقت میں مبتلا نہیں ہو گئے ہیں تو مجھے بتائیے یہ کیا ماجرا
ہے کہ جو روزہ دار صبح سے شام تک برابر اللہ کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے وہ اس عبادت کی حالت
میں جھوٹ کیسے بولتا ہے؟ غیبت کس طرح کرتا ہے؟ اس کی زبان سے گالیاں کیوں نکلتی ہیں؟ وہ
عین عبادت الہی کی حالت میں لوگوں کے حق کیسے مار کھاتا ہے؟ حرام کھانے اور حرام کھلانے کو کام
کس طرح کر لیتا ہے؟ اور پھر یہ سب کام کر کے بھی اپنے نزدیک یہ کیسے سمجھتا ہے کہ میں نے خدا کی عبادت
کی ہے۔ کیا اس کی مثال اس شخص کی سی نہیں ہے جو راکھ اور مٹی کھاتا ہے اور محض کھانے کے چار ارکان
ادا کر دینے کو سمجھتا ہے کہ کھانا اسی کو کہتے ہیں۔ پھر مجھے بتائیے یہ کیا ماجرا ہے کہ رمضان بھر میں تقریباً
۳۶ گھنٹے خدا کی عبادت کرنے کے بعد جب آپ فارغ ہوتے ہیں تو اس پوری عبادت کے تمام اثرات
شوال کی پہلی تاریخ ہی کو کافور ہو جاتے ہیں۔ ہندو اپنے تہواروں میں جو کچھ کرتے ہیں وہی سب آپ
عید کے زمانے میں کرتے ہیں۔ حدیہ ہے کہ شہروں میں تو عید کے روز بدکاری اور شراب نوشی اور

قمار بازی تک ہوتی ہے۔ اور بعض ظالم تو میں نے ایسے دیکھے ہیں جو رمضان کے زمانے میں دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات کو شراب پیتے اور زنا کاری کرتے ہیں۔ عام مسلمان خدا کے فضل سے اس قدر بگڑے ہوئے تو نہیں ہیں، مگر رمضان ختم ہونے کے بعد آپ میں سے کتنے ایسے ہیں جن کے اندر عید کے دوسرے دن بھی تقویٰ اور پرہیزگاری کا کوئی اثر باقی رہتا ہو؟ خدا کے قوانین کی خلاف ورزی میں کوئی کسر اٹھا رکھی جاتی ہے؟ نیک کاموں میں کتنا حصہ لیا جاتا ہے؟ اور نفاذیت میں کیا کی آ جاتی ہے؟ سوچئے اور غور کیجئے کہ اس کی وجہ آخر کیا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آپ کے ذہن میں عبادت کا مفہوم اور مطلب ہی غلط ہو گیا ہے۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ سحر سے لے کر مغرب تک کچھ نہ کھا ڈو اور نہ پینے کا نام روزہ ہے اور بس یہی عبادت ہے۔ اس لئے روزے کی تو آپ پوری حفاظت کرتے ہیں۔ خدا کا خوف آپ کے دل میں اس قدر ہوتا ہے کہ جس چیز میں روزہ ٹوٹنے کا ذرا سا اندیشہ بھی ہو اس سے بھی بچتے ہیں۔ اور اگر جان پر بھی بن جائے تب بھی آپ کو روزہ توڑنے میں تامل ہوتا ہے لیکن آپ نہیں جانتے کہ یہ بھوکا پیاسا رہنا اہل عبادت نہیں بلکہ عبادت کی صورت ہے۔ اور یہ صورت مقرر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ آپ کے اندر خدا کا خوف اور خدا کی محبت پیدا ہو، اور آپ کے اندر اتنی طاقت پیدا ہو جائے کہ جس چیز میں نیا بھر کے فائدے ہوں مگر خدا ناراض ہوتا ہو اس سے آپ اپنے نفس پر جبر کر کے بچ سکیں، اور جس چیز میں طرح کے خطرات اور نقصانات ہوں مگر خدا اس سے خوش ہوتا ہو، اس پر آپ اپنے نفس کو مجبور کر کے آمادہ ہو سکیں یہ طاقت اسی طرح پیدا ہو سکتی تھی کہ آپ روزے کے مقصد کو سمجھتے اور مہینہ بھر تک اپنے خدا کے خوف اور خدا کی محبت میں اپنے نفس کو خواہشات سے روکنے اور خدا کی رضا کے مطابق چلانے کی خوشی کی ہے اس کام لیتے مگر آپ تو رمضان کے بعد ہی اس شوق کو اور ان صفات کو جو اس شوق سے پیدا ہوتی ہیں اس طرح بکال بھینکتے ہیں جیسے کھانا کھانے کے بعد کوئی شخص انگلی ڈال کر فکے کر دے۔ بلکہ آپ میں سے بعض لوگ تو روزہ کھونے کے بعد ہی دن بھر گپی پرہیزگاری کو اگل دیتے ہیں۔ پھر آپ ہی بتائیے کہ رمضان اور اس کے روزے کوئی

طہم تو نہیں ہیں کہ بس ان کی ظاہری شکل پوری کر دینے سے آپ کو وہ طاقت حاصل ہو جائے جو حقیقت میں روزے سے حاصل ہونی چاہئے۔ جس طرح روٹی سے جسمانی طاقت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ وہ معدے میں جا کر ہضم نہ ہو اور خون بن کر جسم کی رگ رگ میں نہ پہنچ جائے، اسی طرح روزے سے بھی روحانی طاقت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ کوئی روزہ کے مقصد کو پوری طرح سمجھے نہیں اور اپنے دل و دماغ کے اندر اس کو اترنے اور خیال، نیت، ارادہ اور عمل سب پر چھا جانے کا موقع نہ دے۔ یہی سبب کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ کا حکم دینے کے بعد فرمایا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ یعنی تم پر روزہ فرض کیا جاتا ہے، شاید کہ تم متقی ہو جاؤ۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس سے تم مضرت متی و پرہیزگار بن جاؤ گے۔ اس لئے کہ روزے کا یہ نتیجہ تو آدمی کی سمجھ بوجھ اور اس کے ارادے پر موقوف ہے۔ جو اس کے مقصد کو سمجھے گا اور اس کے ذریعہ سے اصل مقصد حاصل کرنے کی کوشش کرے گا وہ تو تھوڑا بہت متقی بن جائے گا۔ مگر جو مقصد ہی کو نہ سمجھے گا اور اسے حاصل کرنے کی کوشش ہی نہ کرے گا اسے کوئی فائدہ حاصل ہونے کی امید نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقوں سے روزے کے اصل مقصد کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور یہ سمجھایا، کہ مقصد سے غافل ہو کر بھوکا یا سارہ ناکچہ مفید نہیں۔ چنانچہ فرمایا :-

من لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلِ بِ
فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ شَرَابَهُ
جس جھوٹ بولنا اور جھوٹ بھل کر ناکچہ چھوڑا تو اس کا کھانا اور
پانی چھڑا دینے کی اللہ کو کوئی حاجت نہیں ہے۔
دوسری حدیث میں ہے کہ سرکار نے فرمایا :-

كَهْنٌ صَائِمٌ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا
الظَّمَاؤُ وَكَهْنٌ قَائِمٌ لَيْسَ لَهُ مِنْ قِيَامِهِ إِلَّا
بُهِتٌ
بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ روزے سے بھوک پیاس
کے سوا ان کے بچے کچھ نہیں بچتا اور بہت راتوں کو کھڑی رہنے
والے ایسے ہیں کہ اس قیام سے رات بچے کو سوا ان کے بچے نہیں پڑتا۔
الستہم۔

ان دونوں حدیثوں کا مطلب بالکل صاف ہے۔ ان سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ محض بھوکا اور

پیارا سنا عبادت نہیں ہے، بلکہ اصل عبادت کا ذریعہ ہے، اور اصل عبادت ہے خوف خدا کی بنا پر اس کے قانون کی خلاف ورزی سے بچنا، اور محبت الہی کی بنا پر ہر اس کام کے لئے شوق سے لیکن جس میں محبوب کی خوشنودی ہو، اور لفافہ نیت سے بچنا جہاں تک بھی ممکن ہو۔ اس عبادت سے جو شخص غافل رہا اس کو خواہ مخواہ اپنے پیٹ کو بھوک پیاس کی تکلیف دی۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی حاجت کب تھی کہ بارہ چودہ گھنٹے کے لئے اس سے کھانا پینا چھڑوا دیتا۔

روزے کے اصل مقصد کی طرف سرکار اس طرح توجہ دلاتے ہیں کہ :-

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَ احْتِسَابًا لَغُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

جس نے روزہ رکھا ایمان اور احتساب کے ساتھ اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے۔

ایمان کا مطلب یہ ہے کہ اس کے متعلق ایک مسلمان کا جو عقیدہ ہونا چاہئے وہ عقیدہ دین میں پوری طرح تازہ رہے۔ اور احتساب کا یہ مطلب ہے کہ آدمی ہر وقت اپنے خیالات اور اپنے اعمال پر نظر رکھے کہ کہیں وہ اپنے ایمان کے خلاف تو نہیں چل رہا ہے۔ ان دونوں چیزوں کے ساتھ جو شخص رمضان کے پورے روزے رکھ لے گا وہ اپنے پچھلے گناہ بخشوا لے جائے گا اس کو کہ اگر وہ کبھی سرکش و نافرمان بندہ تھا بھی تو اب اس نے اپنے مالک کی طرف پوری طرح رجوع کر لیا، اور التائب من الذنب کمنیٰ کذب۔ دوسری حدیث میں آیا ہے :-

الصِّيَامُ جَبْتٌ وَاِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ
اَحَدٍ كَرِهَ فُلَانٌ يَوْمُوتُ وَلَا يَكْتُمُ فَاِنَّ
سَابِقَةَ اَحَدٍ اَوْ قَاتِلَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّي اَمْرٌ مُّصَنَّفٌ
بِجَنَّةٍ كُنْتُ لَهٗ بَعْدَ اَيِّ شَيْءٍ يَوْمُوتُ

اے چاہئے کہ اس دن کو استعمال کرے اور دن کے فساد سے پرہیز کرے۔ اگر کوئی اس کو گالی دے یا اس سے لڑے تو اس کو کہہ دینا چاہئے کہ بھائی میں روزے سے ہوں۔ مجھ سے تم یہ توقع نہ رکھو کہ تمہارے اس دشمن میں کوئی گناہ

دوسری احادیث میں حضور نے بتایا ہے کہ روزے کی حالت میں آدمی کو زیادہ سے زیادہ نیک کام کرنے چاہئیں اور ہر بھلائی کا ثوقین بن جانا چاہئے خصوصاً اس حالت میں اس کے اندر اپنی دوسرے بھائیوں کی ہمدردی کا جذبہ تو پوری شدت کے ساتھ پیدا ہو جانا چاہئے، کیونکہ وہ خود بھوک پیاس کی تکلیف میں مبتلا ہو کر زیادہ اچھی طرح محسوس کر سکتا ہے کہ دوسرے بندگان خدا پر غریبی اور مصیبت میں کیا گزرتی ہوگی۔ حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ خود سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں عام دنوں سے زیادہ رحیم اور خفیق ہو جاتے تھے۔ کوئی سائل اس زمانے میں حضور کے دروازے سے خالی نہ جاتا۔ اور کوئی قیدی اس زمانے میں قید نہ رہتا تھا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا۔

من فطّر فیہ صائمًا کان لہ
مغفرۃً لذنوبہ وعتق رقبتہ من
النار کان لہ مثل اجرہ من غیر ان
ینتقص من اجرہ شیء۔

جس نے رمضان میں کسی روزہ دار کو افطار کرایا تو ایسا اس کے گناہوں کی بخشش کا اور اس کی گردن کو آگ سے چھڑا دے گا ذریعہ ہوگا اور اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس روزہ دار کو روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا۔

خطبہ ثانیہ | الْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ۔

مناشر مسلمین! اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان ہم پر یہ ہے کہ اس نے ہم کو اسلام کی نعمت سے نوازا، اور اس نعمت کی نعمت ہم کو جس ذریعہ سے پہنچی ہے وہ اللہ کے رسول برحق کی ذات ہے۔ لہذا جس طرح ہم پر اللہ کا کریم اور اس کی حمد و ثنا واجب ہے، اسی طرح اللہ کے رسول پر صلوة و سلام بھیجا بھی واجب ہے۔ اللہم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی ال محمد کما صلیت علی ابراہیم و علی ال ابراہیم انک حمیدٌ مجیدٌ۔ اس کے بعد ہمیں دعائے رحمت کرنی چاہئے حضور کے اصحاب اہل بیت پر، انھوں نے آپ کے خلفائے راشدین حضرات ابوبکر صدیق و عمر بن الخطاب و عثمان ابن عفان و علی ابن ابی طالب پر کہ یہی حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح پیروی کر کے ہمارے لئے ایک روشن راستہ چھوڑ گئے ہیں۔

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔

اس کے بعد دعائیہ کلمات اللہ تبارک و تعالیٰ ہم کو راہِ راست پر قائم رکھے اور گمراہی سے بچائے۔
 خدایا ہمیں حق کو حق کر کے دکھا اور اس کی پیروی کی توفیق دے۔ اور ہمیں باطل کو باطل کر کے دکھا
 اور اس سے بچنے کی توفیق دے۔ خدایا جو تیرے دین کی مدد کرے تو اس کی مدد کر اور ہمیں اس کا بھی
 بنا۔ اور جو تیرے دین سے منہ پھیرے تو بھی اس سے منہ پھیر لے اور ہمیں اس کے فتنے میں پڑنے سے
 بچا۔ خدایا! دنیا میں ہر طرف تاریکی ہی تاریکی پھیلی ہوئی ہے۔ بر و بحر میں فساد پھوٹ پڑا ہے ایک
 تلاطم ہے جس میں تیرا نام لینے والوں کی ٹوٹی ہوئی کشتی تھپڑے کھا رہی ہے۔ خدایا! تو ہی ہم کو علم کا
 نور دینے والا ہے کہ سیدھا راستہ دیکھ سکیں اور تو ہی ہمیں طاقت بخشنے والا ہے کہ اس طوفان سے
 صحیح و سالم بچ کر نکل سکیں۔ خدایا! تیرا ہی وعدہ ہے کہ اَدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ لَهْدَاكُمْ تَحْمَدُ
 دعا کرتے ہیں اور تو اسے قبول کر! اَدْبَانَقَبْلُ مِنْ اَنْ اَنْفَكَا اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔

عباد اللہ! اِنَّ اللہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَایْتِئَاذِی الْقُرْبٰی
 وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغٰی۔ یُعْظَمُ لَعْنُکُمْ تَذْکُرُوْنَ۔ اذکروا
 اللہَ یَذْکُرْکُمْ وَاَدْعُوْهُ یَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ وَلَذٰکَ اللہُ تَعَالٰی اَعْلٰی وَاَوْلٰی وَاَعَزُّ
 وَاَجَلُّ وَاْهَمُّ وَاَتَمُّ وَاَقْوٰی وَاَکْبَرُ۔

دیدہ و دروں کو چرکا دے گئی تھی، ان کی پردہ دری نہایت باغ نظری سے کی گئی ہے۔

حصہ پنجم تاریخ و سیر متعلق ہے۔ اس میں مشاہیر اسلام کے سوانح حیات ہیں۔ تاریخ مولانا مرحوم کا خاص فن تھا، اس لئے ان مضامین کی نسبت کتنی تفصیلی اظہار رائے کی ضرورت نہیں۔ معترضہ اور اعتراض کی تاریخ بیان کرتے ہوئے جگہ جگہ مصنف نے ”اعتزال“ کو عقلیت سے تعبیر کیا ہے مگر یہ تعبیر ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ اعتزال کو نہ تو خاص اسلامی عقلیت کہا جاسکتا اور نہ یونانی۔ بلکہ یہ بین بین کی ایک خام فلسفیت ہے جس میں ایک طویل عرصہ تک مسلمان عقولیین اس وقت تک بھٹکتے رہے جب تک علوم عقلیہ نے ان کے اندر نیچنگی حاصل نہ کر لی۔ قریبی دور میں جس طرح یورپ کے علوم عقلیہ کی نئی ہی چمک مکے لکھ کر ہماری آنکھیں خیرہ ہوئی تھیں، اور اب آہستہ آہستہ ان علوم کی گہرائیوں تک پہنچ کر نیچرنگی دور ہو رہی ہے، اسی طرح ابتدائی زمانہ میں بھی جب مسلمان نے نئے فلسفہ یونان و عجم سے واقف ہوئے تھے تو ان پر یہی خیرگی کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، اور وہ کہیں صدیوں میں جا کر دور ہوئی۔ لہذا اگر نئے دور کے اعتزال کو حقیقی معنوں میں ”عقلیت“ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا تو پرانے زمانے کا اعتزال بھی اس نام کا مستحق نہیں۔ اسی طرح ایک موقع پر ضحّا مصنف کے بعض بیانات سے اس خیال کی تائید ملتی ہے کہ ہلای علوم کا اصلی سرچشمہ یونانی زبان ہے ہمیں اس عمومی فیصلہ کے تسلیم کرنے میں تاہل ہے حقیقت یہ ہے کہ ارتقاء تہذیب کی تاریخ میں ہر بعد کی قوم نے پہلے کی قوموں کے کارناموں سے استفادہ کیا ہے اور یہ استفادہ کوئی عیب نہیں ہے۔ مسلمانوں نے بھی جب اس راہ میں قدم رکھا تو اقوام قدیمہ کے کارناموں سے استفادہ کیا۔ مگر مسلمانوں کا اصلی عطیہ (CONTRIBUTION) جس نے افکار انسانی کی رو کو خیالیت سے واقفیت کی طرف پھیر دیا، اور خصوصاً تجنیں سے ہٹا کر تحقیق کی طرف متوجہ کیا، اس کا سرچشمہ بحر قرآن حکیم کے کوئی نہیں۔ اس کا نشان ان سے پہلو کی کسی قوم کے علوم میں نہیں ملتا۔

حصہ ششم بھی تاریخی مقالات کا مجموعہ ہے، جن میں عام تاریخی مباحث پر سیر حاصل بخشیں کی گئی ہیں۔

یونانی، فارسی، ہندی وغیرہ غیر زبانوں کا قدیم لٹریچر جس طرح عربی زبان کے ماہرین میں آکر مسلمانوں کے ہاتھوں زندہ جاوید ہو گیا، اس کی مفصل تاریخ ۱۱۲ صفحات میں موجود ہے۔ اس سے مسلمانوں کی علم دوستی اور غیر عربی علوم کے ساتھ غیر متعصبانہ رغبت و اعتناء کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔ یورپ کی ان افرار پرداز یوں میں سے جنہیں اس کے متعصب مانع نے گھڑ کر مسلمانوں کو بدنام کیا ہے، ایک کتب خانہ اسکندریہ کے جلا کے جانے کا واقعہ بھی ہے۔ مولانا مرحوم نے اس سراپا غلط الزام کی پوری قلمی کھول کر رکھ دی ہے۔ اس مجموعہ میں سات مباحث ہیں اور ساتوں اسلامی تاریخ کی جان ہیں۔

جلد ہفتم میں فلسفیانہ مقالے ہیں۔ مسلمانوں کے متعلق یورپین جھوٹے فیصلہ کیا ہے کہ وہ فلسفہ میں ارسطو کی گاری کے قلی تھے، فلسفہ یونان کی کورازہ تقلید ان کے فلسفہ کا آخری زینہ ہے۔ مولانا نے تاریخی حقائق سے اس بے بنیاد ادعا کی تردید کی ہے، اور بتایا ہے کہ مسلمانوں نے فلسفہ یونان کو کس طرح محفوظ کیا؟ اس میں کیا اصلاح و ترمیم کی؟ اس پر کس قدر اضافے کئے؟ اس کے ساتھ انھوں نے خود یونانی منطق پر جس کے ساتھ ہمارے علماء اب تک چپٹے ہوئے ہیں۔ مجتہدانہ تنقید کر کے اس کی غلطیاں دکھائی ہیں، اور بتایا ہے کہ فلسفہ اسلام فلسفہ یونان اور فلسفہ جدیدہ کا درمیانی واسطہ ہے یا یوں کہنا چاہئے کہ اسلامی فلسفہ ہی نے حکمت یونان کو ترقی کی منفرس طے کر کے اس مقام تک پہنچایا جہاں سے فلسفہ حال کی داغ بیل پڑی۔

فلسفہ کے مختلف ادوار و مدارج کے متعلق مصنف کا یہ ریمارک یہاں تک تو بالکل وقعت پر مبنی ہے لیکن اس کے بعد انھوں نے جو قدم اٹھایا ہے اس میں جگہ جگہ فلسفہ یورپ کے مقابل میں اس ذہنی معروریت کے آثار دکھائی دیتے ہیں جو انیسویں صدی کے آخر میں تمام مسلمانوں پر چھا گئی تھی۔ بلاشبہ یورپین فلسفہ کی ابتدا اسلامی فلسفہ کی دست نگر ہے مگر آج وہ اپنی انتہا کو پہنچ کر اسلام سے اسی قدر دور ہو چکا ہے جس قدر یونانی فلسفہ تھا، بلکہ اصول و مبادی کے لحاظ سے اس سے بھی زیادہ حکمت جید

کا نقطہ آغاز خدا کو نہ ماننے کی خواہش ہے جو بجائے خود کسی علمی استدلال پر مبنی نہیں ہے بلکہ ایک بگڑی ہوئی ذہنیت اور ایک جھگٹے ہوئے رجحان نفس پر مبنی ہے۔ مقولات خالصہ ہوں یا نظری سائنس، دونوں کی بنیاد یہی چیز ہے، اور اسی خشیتِ اول کی کجی نے ثریا تک اس دیوار کو کج کر کے رکھ ڈیا۔ ڈارون کی تھیوری بھی جس کی مصنف نے دینی زبان سے تائید کی ہے دراصل اسی بنیاد پر مبنی ہے۔ اس نے آثارِ کائنات کا مشاہدہ اس مفروضہ کے ساتھ کیا کہ اس نظام کا کوئی بنانے والا چلانے والا نہیں ہے، اور پھر اس خواہش کے ساتھ تحقیق شروع کی کہ ایک صانعِ حکیم کے بغیر اس نظام کے چلنے کا معما حل کیا جائے، لہذا تمام علمی حقائق (SCIENTIFIC FACTS) جو اس کے سامنے آئے ان کو اس نے اس طور پر مرتب کر دیا کہ ان سے نواز کے خود بخود ایک نوع سے دوسری نوع میں تبدیل ہونے اور ترقی کرنے کا نتیجہ برآمد ہو۔ یہ نتیجہ یکجا خود علمی حقیقت نہیں ہے، بلکہ حقائق کی اس ترتیب سے پیدا ہوتا ہے جو خدا کو نہ ماننے کی مجرد خواہش پر مبنی ہے۔ مولانا مرحوم نے ڈارون کی تھیوری کو محض ارتقاء کی تھیوری سمجھ کر ثبات کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ حکماء اسلام بھی اس کے قائل تھے۔ مگر شاید یہ بات مرحوم کے علم میں نہ آئی کہ ڈارون کا اصلی کام نفس ارتقاء کا اثبات نہیں بلکہ اس امر کا دعائے کتنازع و اذیت تھا کہ طبعی اور بقائے صلح کے قوانین کے تحت انواع خود بخود ایک دوسرے میں تبدیل ہوتی اور ترقی کرتی ہیں۔ حکماء اسلام میں سے اس چیز کا نہ کوئی قائل ہوا نہ کسی خدا پرست کا ذہن اس نظریہ کی طرف منتقل ہو سکتا ہے۔ اور نہ خود ڈارون اس کو علمی حقیقت ثابت کر سکا ہے۔ وہ جو کچھ علمی طور پر ثابت کر سکا ہے وہ صرف یہ ہے کہ عالمِ طبیعی میں یہ قوانین کام کر رہے ہیں، اور یہ کہ انواع میں ترتیب صعودی پائی جاتی ہے۔ رہا یہ کہ ان قوانین کے تحت نوع سافل سے نوع عالی کی طرف خود بخود صعود ہوتا ہے، تو یہ مجرد قیاس ہے۔ سائنس کا حقیقت ثابت نہیں ہو سکا۔

قادیانی مذہب | تابع جناب صلاح الدین محمد الیاس صاحب برنی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی علیگ ناظم سررشتہ تابع و ترجمہ حیدر آباد۔ ضخامت ۱۱۰ صفحات، قیمت ۲۰۰ روپے، تاج کمپنی لاہور۔

ناظرین ترجمان القرآن اس کتاب کے نام سے واقف نہیں ہیں۔ ہم اس کے گذشتہ ایڈیشنوں پر برابر تبصرہ کرتے رہے ہیں۔ اب اسی کتاب کا پانچواں ایڈیشن شائع ہوا ہے جس میں کثرت سے نئے مباحث اور عجائبات اضافہ کئے گئے ہیں۔ اور ان تمام قادیانی کتابوں کا جواب دے دیا گیا ہے جو اس کتاب کے سابقہ ایڈیشنوں کے رد میں شائع کی گئی ہیں۔ کتاب کی جامعیت، ترتیب کی خوبی، طرز بیان کی مناسبت اور طریقہ افہام و تفہیم کی جدت کا صحیح اندازہ پڑھنے ہی پر موقوف ہے۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں قادیانیت اور باغی قادیانیت کا ایک ایک خط و خال بے حجاب نظر آتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ اس کتاب میں جو کچھ کہا گیا ہے، مرزا صاحب اور ان کے اصحاب کی زبان ہی سے کہا گیا ہے۔ یعنی قادیانیت کی کہانی خود اپنی زبان ہی سے ہے۔ قادیانیت گواہی موت آپ مر رہی ہے، پھر بھی ضرورت ہے کہ بے خبر مسلمانوں میں یہ کتاب کثرت سے پہنچے، اور لوگ اس فتنہ سے پر حذر رہیں۔ ہم خود اس فرقہ کے حق طلب طبقہ کی خدمت میں بھی مخلصانہ عرض کرتے ہیں کہ تحفے بالا تر ہو کر اس کتاب کو پڑھے لکھے بیت کنگرواؤں کے سمجھئے۔

قادیانی قول فصل | تالیف جناب پروفیسر صلاح الدین محمد الیاس صاحب برنی۔ صفحات ۳۹۲۔

قیمت ۱۲ روپے کا پتہ :- تاج پبلی لاہور۔

اس کتاب کو کتاب ”قادیانیت“ کا تمہ یا تشریحی خلاصہ کہنا چاہئے جو قادیانی مذہب کے جواب ”بشارت احمد“ کی نتیجے کے سلسلہ میں لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب بھی اسی مناسبت، جامعیت اور تحقیق کی حامل ہے جس کی مولف سے توقع کی جاسکتی ہے۔ اس میں ان تمام عذرات اور بیجا تاویلات کا تشفی بخش جواب دے دیا گیا ہے جنہیں جناب بشارت احمد صاحب قادیانی نے اپنی کتاب میں پیش کیا تھا۔ قادیانی تحریک کی تدریجی قلابازیاں، قادیانی قوں و فعل کی مبہم اور مغالطہ آمیز دورنگی، اور احمدیت کی اسلام کے خلاف خطرناک روش بلکہ سازش کا حال جن لوگوں کو نہ معلوم ہو وہ لوگ ”قادیانی مذہب“ کے ساتھ ساتھ اس کتاب کا بھی مطالعہ کریں۔ ان دونوں کتابوں میں غافل مولف نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا ہے کہ امت قادیان کے ہاتھوں

میں اس کا اعمال نامہ۔ کامل اور مکمل اعمال نامہ جسے اس نے اپنے ہی قلم سے مرتب کیا ہے۔ دیدیجئے اور صرف اتنی گزارش کی ہے کہ اَخْرَجْنَاكَ كَفَىٰ نَفْسِكَ اَلْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسْبُنَا كَیَا قَادِیَانِ حضرات اس گزارش پر توجہ کریں گے۔

ترجمان | مرتبہ سید معین الدین صاحب ایم لے۔ ضخامت ۳۲ صفحات، شرح چند سالانہ سٹڈی کاپتہ۔ انجمن اتحادیہ مہاجرین بھارت اور پاکستان گلی، بہارٹی درزیاں، چلی قبر، دہلی۔

روسی مظالم سے تنگ آکر بھاڑا اور ترکستان کے مسلمان دنیا کے مختلف ممالک میں ہجرت کر رہے ہیں۔ اب تک تقریباً پچاس لاکھ مہاجرین اپنی متاعِ ایمان کی خاطر اپنے وطن کو خیر باد کہہ چکے ہیں۔ ان میں سے ایک قافلہ ۱۰ اپریل ۱۹۳۷ء سے ہندوستان بھی آیا ہوا ہے۔ دہلی میں ان مہاجرین نے اپنی تنظیم کڈئے ”انجمن اتحادیہ“ کی بنیاد لی ہے یہ ماہنامہ اسی انجمن کا آرگن ہے، جو چند ماہ سے نہایت کامیابی کے ساتھ نکل رہا ہے بعض مفید علمی و اسلامی مضامین کے علاوہ جو چیز خاص طور سے قابل توجہ ہے وہ اشتراکی رویہ کی ہلاکت آفرینیوں اور فرزندانِ توحید کی خانہ بربادیوں کا وہ دل دوز مرقع ہے جسے سیم زندہ مہاجرین اپنے قلم سے کھینچ رہے ہیں۔ دردمند مسلمانوں کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ اس رسالہ کی صد زیادہ سے زیادہ کاپوں تک پہنچائیں تاکہ ان فریبِ خودوں کی آنکھوں سے پردہ ہٹ جائے جو اشتراکی نظام کو دنیا کے کٹو رحمت سمجھ رہے ہیں اور جنھیں سویت روس کا جہنمِ زارِ حنٹ نشان نظر آ رہا ہے۔ اس وقت انہیں معلوم ہو گا کہ ہزاروں میل دور بیٹھے ہوئے وہ جس نظام کی عدل پروری اور انسانیت نوازی کا دن رات قصیدہ پڑھا کرتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے اور جنھوں نے عملاً اسے دیکھا، بھگتا اور چکھا ہے وہ اس کا کیا حال بیان کرتے ہیں۔ توقع ہے کہ مسلمانانِ ہند اپنے مظلوم بھائیوں کے تجربہ اور مشاہدہ سے فائدہ اٹھائیں گے اور اشتراکی زہر کو اسلامی تریاق سمجھنے کی خطرناک غلطی نہ کریں گے۔ اس رسالہ میں روسی اور اشتراکی نظام کے متعلق جو کچھ شائع ہو رہا ہے نہ تو وہ کوئی پروپیگنڈا ہے اور نہ اختلافِ نظریات کا اثر ہے بلکہ یہ لوگ دھوکہ

بھیدی ہیں، جیسا کچھ علمی دنیا میں انھوں نے اس نظام کو پایا ہے، بے کم و کاست بیان کر رہے ہیں۔ اس رسالہ کی توسیع اشاعت نہ صرف اخلاقی و علمی بلکہ دینی خدمت ہے فَنَتَعَدُّ وَتَوَاعَلِے الْاِسْرُوَ التَّقْوٰی۔ اگرچہ ان ہاجرین کو ہندوستان آئے ہوئے ابھی کل سال ڈیڑھ سال ہوئے ہیں لیکن انھوں نے اردو ادب میں حیرت انگیز مہارت پیدا کر لی ہے۔ اس لئے رسالہ کی ادبیت بھی زیادہ ”بلشتی“ نہیں ہے ہمارے ترک بھائیوں کے لئے اسلام کی قومیت اور ملتیت کافی ہے انھیں ”چنگیز“ جیسے فاتحوں پر فخر کرنے کی ضرورت نہیں۔

فائدہ | مرتبہ مولوی سید اختر اسلام صاحب قاسمی۔ ضخامت ۴ صفحات، قیمت سالانہ عمدہ کاغذ ۱۲ معمولی کاغذ۔ پتہ:۔ مولانا حکیم انظار احمد صاحب محلہ فیل خانہ، مراد آباد (یوپی)

یہ ایک علمی، مذہبی اور اقتصادی ماہنامہ ہے جو بعض اکابر دیوبند کی سرپرستی میں مراد آباد سے شائع ہو رہا ہے۔ رسالہ کی جامعیت قابل قدر ہے۔ اس کا نصب العین خود اسی کے لفظوں میں اس شخصیت صلعم اور صحابہ کرام کے حالات پیش کر کے مسلمانوں کی اصلاح کرنا اور فتنہ عروج و زوال پر بحث کر کے جذباتِ سلم کو ابھارنا ہے، آخر میں ایک مضمون عربی زبان میں بھی شائع ہو رہا ہے بہت سے مفید مضامین مسلسل شائع کئے جا رہے ہیں۔ سیاسی مباحث بھی موجود ہیں مگر افسوس کہ کبھی کبھی متانت کا دامن ہاتھ چھوٹ بھی جاتا ہے۔ ایک ایسے رسالہ کو جو اسلامی تہذیب کا علمبردار اور ”انسائیکلو پیڈیا“ ہونے کا داعیہ رکھتا ہو کسی طرح زیب نہیں دیتا کہ عام اخباری لب و لہجہ اختیار کرے۔ مخالف برسرِ غلط سہی لیکن لکھجو ونگم۔ شَنَّانُ قَوَّحْہُو کی تعلیم غلط نہیں۔

فردوس | مرتبہ جناب حبیب اشعری صاحب ہوی، ضخامت ۳۲ صفحات، قیمت ۷۷ نمونے کا

پتہ:۔ دفتر رسالہ فردوس، دہلی

سال رواں کے جدید ادبی ماہناموں اور شعروادب کے ممتاز خدمت گزاروں میں سے۔

افسانے معیاری اور تمجید خیز ہیں، جب القم کے عنوان سے جو افسانہ شائع ہوا ہے اس کی تلخ نگاری کچھ پسندیدہ نہیں۔ علماء، سو کی بے اعتدالیوں کا ہم انکار نہیں کرتے مگر علماء کی پوری جماعت کو عمومی حیثیت سے اس بے اعتدالی کا مجرم کیوں ٹھہرایا جائے، اور وہ بھی ایسے غیر مہذب و سخیف انداز میں۔

کا نگریں یا لم لیگ | تالیف جناب سید محمد نصاری صاحب، صفحات ۲۰۰، قیمت ۴۰ روپے
لئے کا پتہ: نظم والا قاسم سیریا مشرقیہ۔ آفندی لاج۔ قروباغہ، نئی دہلی۔

مسلمانوں کی جہالت اور مغلوں کی ذہنیت سے یورپ ایک مدت کے فائدہ اٹھا رہا ہے ہندی سیاست کے موجودہ انقلاب میں ہندو بھی مسلمانوں کے متعلق اسی دعوے کا مل لینا چاہتا ہے بلکہ کانگریس کے اسلحہ خانے اس کا استعمال بھی شروع کر چکا ہے اور مسلم قوم ہے کہ ابھی تک کانگریس کے متعلق ہی طے نہیں کر سکی کہ اس میں مسیحائیت ہے یا دجالیت۔ یہ رسالہ اختصار کے باوجود اس بحث پر ایک حقیقت افروز تبصرہ جس میں مصنف نے نہایت سلیجے ہوئے اور دلنشین پیرایہ میں، بصورت مکالمہ ان تمام غلط فہمیوں کی اصلیت آشکارا کر دی ہے جس میں ہمارا جو شیلا وطن پرست اور کانگریسی مسلمان مبتلا ہے محض حقائق اور واقعات سے بحث کی گئی ہے۔ انداز بیان کی منانت اور شرافت نے اس رسالہ کی قیمت میں خاص اضافہ کر دیا ہے۔ جو سلیم الطبع مسلمان سیاست حاضرہ کی پیچیدگیوں کو سمجھنا چاہے اسے اس رسالہ کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

مولف نے کانگریس پر اجماعاً تنقید کا پورا حق ادا کر دیا ہے لیکن مسلم لیگ کو انھوں نے کوئی خاص تعرض نہیں کیا ہے۔ مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم اور اتحاد کی ضرورت اور اس کے طریقہ کے متعلق انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، انہیں معلوم کوئی مدعی اسلام اس سے کیسے انکار کرے گا؟۔

آزادی کی جنگ | تالیف عبدالوحید خان صاحب بی، اے، صفحات ۱۲۸، قیمت ۴۰ روپے
لئے کا پتہ: عبدالوحید خان صاحب۔ ۹ لاٹوش روڈ لکھنؤ۔

یہ کتاب بھی سیاستِ حاضرہ سے تعلق رکھتی ہے جس میں جنرل مصنفؒ نہایت کاوش کے ساتھ سیاسی مسئلوں کا ایک معقول ذخیرہ جمع کر کے کانگریس کے اَدعاے آزادی کی حقیقت کھولی ہے اور کانگریسی قول و فعل کا ایک ایسا مرقع جس میں کانگریس کی ہماسبھائی نہ ذہنیت اور اسلام دشمنی کا چہرہ بے حجاب نظر آتا ہو جو بات ابھی کہی گئی ہے واقعات کی سند کے ساتھ۔ گو مولف کا خلوص آمیز جوش اور اسلامی غیرت ہر فقرہ سے نمایاں ہے مگر باوجود اس کے قلم کہیں بھی حد و متانت سے متجاذ نہیں ہوا ہے۔ مولف سلم لیگ کا جوش حامی ہے، اس نے فطرتاً اس نے اس کے نقائص سے بحث نہیں کی ہے، حالانکہ یہ چیز بھی خاص توجہ کی مستحق ہے۔ اگر سلم لیگ اپنی موجودہ کمزوریوں سے پاک ہوتی تو کانگریس کی فریب کاریاں کبھی باہر اُدھر نہ آکاؤ صد نہ کر سکتیں۔ ان مولف کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ حریت پسند مسلمان لیگ پر قبضہ کر کے نہایت کافی کے ساتھ اس کی اصلاح کر سکتے ہیں لیکن آج کا مسلمان جب دن کو رات کہہ دیتا ہے تو سورج اس کی نگاہوں سے چھپ جاتا ہے اور آسمان کے ہر گوشے میں ماہ و پروں دیکھنے لگتا ہے۔

کتاب میں طباعت کی غلطیاں بہت زیادہ ہیں۔ اس کے علاوہ اس کی ترتیب میں بھی اصلاح کی کافی گنجائش ہو اگر اس تمام مواد کو سائنٹفک طریقہ سے ترتیب دیکر بحث کو اوجھلایا جائے تو کتاب کا معنوی حسن اور زیادہ جاذبِ نظر بن جائے گا۔

زبدۃ السیرۃ النبویہ | تالیف جناب مولانا عطاء الدین ضا الصاری ضخامت ۸۸ صفحات، قیمت ۳۰

ملنے کا پتہ :- ناظم کتب خانہ الضاریہ جالندھر۔

یہ کتاب نبی مہدیوں کے لو لکھی گئی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر مبارکہ نہایت صاف اور سلیس عبارت میں پیش کی گئی ہے۔ نحو صرف کی ابتدائی کتابوں کے ساتھ اس کا پڑھایا جانا ایک طرف طلبہ کے لئے ادبی کام دے گا دوسری طرف دنیا کے سب سے کامل انسان کی سیرت ان کے اخلاق کو سنوارے گی۔

ذی الحجہ ۱۳۵۷

جلد ۱۳ - عدد ۶

۷۸۶

ماہ نامہ

ترجمان القرآن

علوم قرآنی و تھانی فرقانی کا ذخیرہ

مترجمہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی

ملتان روڈ، لاہور

قیمت فی پرچہ ۸ آنے

قیمت سالانہ پانچ روپے

مدیر ترجمان القرآن کی تالیفات

الحمد للہ فی الاسلام | مختصر فہرست مضامین حسب ذیل ہے :-

۱۔ اسلامی جہاد کی حقیقت یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن کی تعلیم جہاد کی اہم حقائق پر مبنی ہے اور نظام تمدن میں روح جہاد کا کیا ترجمہ ہے۔
۲۔ مدافعت جنگ وہ اغراض جن کے لئے قرآن نے دفاعی جنگ کا حکم دیا ہے۔

۳۔ مصلحتانہ جنگ، اصلاحی جنگ کے اصول و مقاصد کی تشریح اور ان اعتراضات کا جواب ہے اس نوع کی جنگ کے کیے جاتے ہیں۔
۴۔ اشاعت اسلام اور تلوار، دعوت و تبلیغ کے متعلق اصول تعلیم اسلامی کی تشریح اور اس امر کی تحقیق کہ اشاعت اسلام میں تلوار کا کیا حصہ ہے۔

۵۔ قوانین جنگ اسلام سے قبل کے وحشیانہ طریقہ تھے جنگ اور ان میں اسلام کی اصلاحات۔
۶۔ جنگ کے سرے مذاہب میں جنگ کے متعلق ہندو مذہب، بودھ مت، یہودیت اور مسیحیت کی تعلیمات پر مفصل تبصرو۔

۷۔ جنگ اور تہذیب جدید۔ بین الاقوامی قانون جنگ کی تفصیل اور اسلامی قانون سے اس کا مقابلہ قیمت محلہ صغر غیر محلہ لکھنؤ
رسالہ دینیات | یہ رسالہ ہائی اسکول کی آخری کلاسوں میں تعلیم پانے والے لڑکوں اور لڑکیوں کیلئے لکھا گیا ہے۔ اس میں تعلیم دینیات کا بائبل جدید سرسزا اختیار کیا گیا ہے۔ مسلمان نوجوانوں کو کالج کی منزل میں داخل ہونے سے پہلے یہ سالہ پڑھا دینا بہ ضروری ہے۔ یہیں بہترین عقلی دلائل کے ساتھ اسلام کی بنیادی تعلیمات اصول شریعت کو سمجھایا گیا ہے اور ان شبہات کو رفع کیا گیا ہے جو زمانہ جدید کے دماغوں میں عموماً پیدا ہوتے ہیں۔

طلبہ کے علاوہ عام ناظرین اور خصوصاً جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لیے بھی اس سالہ کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں نیز علماء بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں کیونکہ یہ سالہ انکو بتائیگا کہ اردو میں اسلام کونسیاں کونسیاں صحیح طریقہ کیا ہے۔

قیمت ۱۰۔ محصول لک ۲۔ خرچ وی پی ۳

دفتر ترجمان القرآن لاہور سے طلب کیجئے

فہرست مضامین

ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۳۹ء جلد ۱۱ عدد ۶

۴۰۲	ابوالاعلیٰ مودودی	اشارات
		مقالات:
۴۱۴	از افادات علامہ ابن عبد البر	جواہر حکمت
۴۲۳	جناب لوی محمد الدین صاحب اصلاحی	دلائل حسنہ والآثار
۴۳۸	جناب لوی محمد الدین صاحب اصلاحی	اسلام اور وطنیت
		تمنیں تاویل:
۴۵۰	جناب لوی محمد ایوب صاحب اجپوری	امثال اہل بیت
		تقریظ و انتقاد:
۴۶۱	ابوالاعلیٰ مودودی	متحدہ قومیت اور اسلام

باہتمام سید ابوالاعلیٰ مودودی پرنٹر و پبلشر، گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں طبع ہو کر
دفتر ترجمان القرآن، بلقان روڈ لاہور سے شائع ہوا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں کچھ مدت تک ایک مسودہ قانون زیر بحث تھا جس میں مسلمان عورتوں کے لیے فریخ و تفریق کی کچھ آسانیاں تجویز کی گئی تھیں۔ اگرچہ اس مسودہ قانون میں متعدد نقائص تھے، اور اب کہ وہ آخر بار اسمبلی میں منظور ہو کر نکلا ہے، اس کے نقائص پہلے سے بھی کچھ زیادہ بڑھ گئے ہیں، لیکن ہم نے اس پر کسی قسم کا اظہار رائے نہیں کیا۔ اس بنا پر نہیں کہ ہمیں عورتوں کی اصلاح حال سے، یا قانون اسلامی کے صحیح و مکمل نفاذ سے دلچسپی نہ تھی۔ بلکہ محض اس بنا پر کہ ہم کسی مجلس قانون ساز کے اس حق کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں کہ وہ شریعت اسلامی کی دفعات کو نافذ کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرے، یا قانون شریعت کی دفعات پر واضح شریعت بحث کرے کہ ان میں کیا چیز مناسب ہے اور کیا غیر مناسب، اور کسے نافذ کیا جائے اور کسے نہ کیا جائے۔ یہ حق خود مسلمانوں کی اپنی بنائی ہوئی کسی اسمبلی کو بھی نہیں ہے، کجا کہ انگریزوں کی بنائی ہوئی اسمبلی کو حاصل ہو، اور وہ بھی ایسی اسمبلی جس میں غیر مسلم اکثریت کے ووٹوں پر فیصلہ کا مدار ہو۔ قانون اسلامی کے متعلق اس قسم کے مسودات موجودہ حکومت کی بنائی ہوئی مجلس قانون ساز میں پیش کر کے خواہ چھوٹے چھوٹے فوائد کتنے ہی حاصل کر لیے جائیں، مگر سب سے بڑا اور سب سے زیادہ بھاری نقصان اس سے یہ پہنچتا ہے کہ ہم خدا اور اس کے رسول کے مقابلہ میں اس اور رائے اور اپنی کے حق تشریع کو تسلیم کرتے ہیں۔ تمام دنیا کے فوائد اس نقصان عظیم کے مقابلہ میں بچ ہیں۔ مسلمانوں کے گھروں کا تباہ ہو جانا اور ان کی ہستی کا مٹ جانا اس سے لاکھ درجہ بہتر ہے کہ مسلمان قرآن اور سنت کے احکام و قوانین کو غیر مسلم قانون سازوں کے سامنے نقد و تبصرے کے لیے پیش کریں، اور ان کے سامنے ہاتھ پھیلا کر چبک بٹکیں کہ اس قانون کی۔ جسے ہم قانون الہی بھی ساتھ ہی ساتھ کہتے جاتے ہیں۔ فلاں

فلان دفعہ کو ہمارے قانون بنادو۔ پھر وہ منظر جبکہ ایک طرف مسلمان یہ بھیکے گا ہاتھ پھیلائے ہوئے ہو، اور دوسری طرف وہ غیر مسلم جیسے جو فیصلہ کا اختیار رکھتا ہے، اس کی آنکھوں کے سامنے شرعی قانون میں کانٹ چھانٹ کر رہا ہو حقیقتہً ایسا منظر ہوتا ہے کہ اس کو دیکھنے سے پہلے مسلمان کا ڈوب مرنا زیادہ بہتر ہے!

یہ معاملہ کچھ اس قدر ایمان سوز اور غیرت شکن ہے کہ اس پر قلم اٹھاتے ہوئے روح کو اذیت ہوتی ہے۔ مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ حامیوں کے کرعلاء کرام تک نے اس مسودہ قانون کو بمبلی کے سامنے پیش کرنے میں دلچسپی لی ہے، اور اس پر اس طرح زور دیا ہے کہ گویا دین و دنیا کی فلاح اسی پر منحصر تھی، تو دل پر تبصرہ کرکھ کرچی جائیگا کہ اس آخری منظر کا نقشہ یہاں کھینچا جائے جو مسودہ کی منظوری سے پہلے ۱۸ فروری کو بمبلی میں دکھایا گیا، شاید کہ اسی سے مسلمانوں کی سوئی ہوئی غیرت میں کچھ حرکت پیدا ہو۔

مولوی سید قاضی صاحب نے مریم پیش کی کہ قطع اور فسخ و تفریق کے مقدمات صرف مسلمان جج ہی کے سامنے پیش ہونے چاہئیں۔ اس پر حکومت ہند کے رکن قانون سر این سرکار نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

”مگر انتظامی مشکلات قطع نظر، حکومت ہند اس اصول ہی کو تسلیم نہیں کر سکتی کہ ایک خاص فرقہ کے مقدمات کی سماعت اسی فرقہ کے جج کیا کریں۔ اس دوسرے فرقوں کے ججوں کی عدالتی راستہ پر حرج آتا ہے“

اس کے معنی مفہوم پر غور کیجیے جو حکومت اس اصول کو خود قائم کرتی رہی ہے کہ انگریز کے مقدمہ کی سماعت خود ہر جج کا امور کہ وہ غیر انگریز جج بھی نہیں کر سکتا جس حکومت نے اپنے حدود مملکت ہی میں نہیں بلکہ برکری اور مصر اور چین کی حکومتوں کے دائرہ اختیاریں بھی مدتوں یہ اصول تسلیم کر لیا کہ انگریزی قومیت والوں کے مقدمات غیر انگریزی عدالتوں میں پیش نہیں ہو سکتے، وہی حکومت ہم سے کہتی ہے کہ تمہارے شرعی مقدمات کے بارے میں یہ اصول تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ تمہاری ہی شریعت پر ایمان رکھنے والے ان کی سماعت کریں؛ تم کو اپنی عورتوں کے نکاح فسخ کرنے

اور تفریق بین المروز و وجہ کے نازک معاملات بھی غیر مسلم جموں کے سامنے پیش کرنے پڑیں گے، چاہے وہ تھاری شریعت پر ایمان نہ رکھتے ہوں اور تعلقات زن و مرد کے متعلق ان کے نظریات تھاری شریعت کے نظریات سے بالکل مختلف ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر تھاری شریعت یہ کہتی ہے کہ فحش نکاح اور تفریق بین الزوجین قاضی شرعی کے بغیر جائز نہیں، تو کہا کرے۔ اگر تھارے دین کی رو سے غیر قاضی کے فحش و تفریق کا اعتبار نہیں، اور اس طرح عورت کا نکاح ثانی درست نہیں ہوتا تو ہمیں اس کی کیا پروا۔ جب تم خود اپنی شریعت کو ہمارے سامنے فیصلہ کے لیے پیش کر رہے ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم نے خود ہی اپنے خدا اور رسول کے بجائے ہم کو شارع تسلیم کیا ہے۔ لہذا ہمارے اصول تھاری شریعت پر مقدم ہیں۔ تھاری شریعت تاج ہے اور ہمارے اصول متبوع!

کاش یہی جواب سن کر بمبلی کے مسلمان ممبروں کی آنکھیں کھلتیں اور وہ اس مسودے کو لامبر کے منبر پر لاکر باہر نکل آتے۔

مگر بمبلی کے مسلمان ممبر! یہ مردم شمار کی کے مسلمان، جن کو ہماری قوم اپنے ووٹوں سے منتخب کر کے، اپنا نمائندہ بنا کر بھیجتی ہے۔ ان کی دی حیثیت کے نمونے تو بارہا دیکھے جا چکے ہیں۔ مگر کبھی مسلمانوں کو احساس ہی نہ ہوا کہ ہم کس نادانی کے ساتھ اپنا ووٹ استعمال کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک صاحب، جناب آصف علی نے کانگریس پارٹی کی طرف سے اس ترمیم کی مخالفت کی۔ دوسرے بزرگ جناب عبد القیوم نے فرمایا کہ ”یہ ترمیم اصلاً غلط ہے۔ ملک میں پہلے ہی جو امتیازات (مثلاً۔ لیو سٹیشنوں پر ہندو پانی اور مسلمان پانی) پھیلے ہوئے ہیں، ان کو قانون کی سرحدوں تک میں نہ پہنچا دینا چاہیے۔“ یہ دونوں حضرات نیشنل مسلم جماعت کے گلہائے سرسبز اور متحدہ قومیت کے علمبردار ہیں۔ یہ کس طرح برداشت کر سکتے ہیں کہ مسلم و کافر کے امتیازات مٹنے کے بجائے اور بڑھیں، یہاں تک بڑھ جائیں کہ اسلامی شریعت کی تعبیر و تفسیر کا حق بھی غیر مسلم سے چھین لیا جائے! مسلمان عورت کا نکاح تک غیر مسلم فحش نہ کر سکے! ہندو پانی اور مسلمان پانی کی طرح ہندو خاستری اور مسلم قاضی کی آوازیں بھی ڈنگیں!

یہ اس ”معدہ قومیت“ کی تفسیر ہے جس کے متعلق ہم کو قرآن و حدیث کی سند سے بتایا جاتا ہے کہ خدا بھی اس پر راضی ہے اور رسول کے عمل سے بھی ثابت ہے۔ ”امۃ مع المومنین“ والے معاہدہ کو پھر ذرا ملاحظہ فرمایا جائے۔ کچھ اس قومیت کا پتہ نشان بھی وہاں ملتا ہے کہ نہیں؟

مشرقی کانگریس نیشنلسٹ پارٹی کے لیڈر نے خوب کہا اور بالکل سچ کہا کہ:-

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ ان مقدمات کی سماعت کے لیے مسلمان جج پر کیوں اصرار کرتے ہیں۔ آپ خود ہی تو اسلامی پرنسپل لاکے بجائے مجلس قانون ساز کا بنایا ہوا قانون وجود میں لائے ہیں۔ آپ ایک غیر دینی مجلس سے اسلامی قانون کی تعبیر اور اس کے اطلاق کا تصفیہ کر رہے ہیں۔ اب اگر مجلس قانون بنانے کا اختیار رکھتی ہے تو اس بات کا بھی اختیار رکھتی ہے کہ اس قانون کی تعبیر کا حق جن منصفوں کو چاہے، بلا اس لحاظ کے کہ ان کا عقیدہ کیا ہے۔“

یہ سیدھی اور صاف بات ایک غیر مسلم تو سمجھ گیا، مگر نہ سمجھے تو ہمارے وہ ماہرین قانون جنہوں نے مسودہ مرتب اور پیش فرمایا، اور وہ پیشوایانِ دین اور وہ علمبردارانِ حریت جنہوں نے انگریز کی قائم کی ہوئی غیر اسلامی مجلس اُئین ساز کے سامنے اسلامی قانون کے نفاذ کی بھیک مانگنے کو نہ صرف جائز رکھا بلکہ اس کی پرزور توثیق کی۔

میں مانتا ہوں کہ شریعت کے قوانین پوری طرح نافذ نہ ہونے سے ہمارے معاملات بگڑ رہے ہیں، ہماری معاشرت اور ہمارے تمدن کا نظام مختل ہو رہا ہے، ہمارے گھر تک خراب ہو رہے ہیں۔ ہمیں شرعی قانون کے نفاذ کی بلاشبہ ضرورت اور سخت ضرورت ہے۔ مگر اس کی یہ کونسی صورت ہے کہ ہم خدا اور رسول کے قانون انگریز کی اسمبلی کے سامنے پیش کریں، اور وہ جانچ پڑتال کے لیے سلکٹ کمیٹی کے حوالہ کیا جائے، اور اس کی دفعات پر کوئی سرکار، کوئی ایسی، کوئی آصف علی، کوئی عبدالقیوم رد و قدح کرے، اور ان کی تشریح کی

بنابر نہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی تشریع کی بنا پر وہ قانون، قانون بنے، چھوڑے غیرت اور حریمت کے سوال کو۔ میں پوچھتا ہوں کہ یہ سرکار اور یہ اپنی اور یہ آصف علی اور عبدالقیوم ہوتے کون ہیں کہ یہ اسلامی قانون بنائیں اور ان کا بنایا ہوا قانون مسلمانوں پر اسلامی قانون کی حیثیت سے نافذ ہو؟ اسلامی قانون تو وہی ہے جو صرت خدا اور اس کے رسول کی سینکڑین سے قانون بنے کسی عروزیہ کا بنایا ہوا قانون، خواہ اس کی دفعات لفظ بلفظ اسلامی قانون سے ملتی ہوئی کیوں نہ ہوں، اسلامی قانون نہیں ہو سکتا، جبکہ اس کا قانون ہونا خدا اور اس کے رسول کے سوا کسی اور کی سینکڑین پر مبنی ہو۔ غیر مسلم حج نہ سہی، مسلمان حج بھی اگر مقرر کر دیا جائے تو وہ بھی ایسے قانون کی رو سے مسلمان عورت کا نکاح فسخ نہیں کر سکتا۔ مسلمان عورت خدا کے قانون کی رو سے مسلمان مرد کے لیے حلال ہوتی ہے غیر اللہ کا قانون اس کو اس مرد کے لیے حرام اور دوسرے مرد کے لیے کس طرح حلال کر سکتا ہے؟ آپ پر جو مشکلات مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں وہ غیر اسلامی نظام کی اطاعت قبول کرنے کی قدرتی پاداش ہیں۔ اس سزا سے بچنے کے لیے اگر آپ غیر شرار کو شارع کا منصب دیں گے تو یہ اسی قسم کی حرکت ہوگی جیسے کوئی شخص ٹیکے کی مصیبت بچنے کے لیے پھت ہی گرا دے۔ ایک گناہ کی سزا سے بچنے کے لیے دوسرا گناہ اور عظیم ترین گناہ کرنا بچاؤ کی صورت نہیں ہے بلکہ اور زیادہ برا بدی کی صورت ہے۔ بچاؤ کے سارے راستے بند ہیں۔ صرف ایک راستہ کھلا ہے اور وہ یہ ہے کہ غیر شرار نظام کو مٹا کر اسلامی نظام قائم کرنے کے لیے جنگ کیجیے، اس کے لیے جیل جا بیے، اس کے لیے لاٹھیاں کھائیے اس کے لیے سڑک دے دیجیے۔ تمام قربانیوں کا مستحق ہی ایک مقصد ہے اور باقی سب جھوٹے مقاصد ہیں۔

خدا اور اس کے رسول کے احکام سے بغاوت کی وہ مسلمانوں کی جماعت میں جس حد تک پہنچ چکی ہے اس کا اندازہ ایک واقعہ سے کیجیے جو ابھی پھیلے ہی مہینہ میں پیش آیا ہے۔ اگرچہ جم قومی کان ناصوروں کو بار بار دکھانا نہ میرے لیے خوشگوار ہے، نہ ان کو دکھنا برادران دینی کے لیے خوشگوار

ہو سکتا ہے، مگر کیا کیجیے کہ یہ نا صورتیں موجود، اور روز افزوں شدت کے ساتھ رس رہے ہیں، اس لیے آنکھیں بند کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ انھیں دکھانا اور بار بار دکھانا چاہتا ہوں کہ پورے حجم کے ٹرنے سے پہلے مسلمان ان کی طرف متوجہ ہوں۔

ریاست کو رتھلہ میں سلطان پور لودی ایک پرانا تاریخی مقام ہے جہاں ہمارے رفیق متری محمد صدیق صاحب کچھ عرصہ سے مسلمانوں کو اقامتِ صلوة کی تلقین کر رہے ہیں۔ اس تلقین و تبلیغ کے مقابلہ میں سب سے زیادہ جس خاندان نے انحراف و استکبار کیا وہ مقامی ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب اور ان کا خاندان تھا۔ متری صاحب نے سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی، مگر کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر کار انھوں نے باہر کے لوگوں سے مدد مانگی۔ چنانچہ مولانا حبیب الرحمن لودھیانوی اور یہ عاجز، دونوں سلطان پور پہنچے اور ہم نے انتہائی نرم طریقہ سے افہام و تفہیم کی، لَعَلَّہٗ یَتَذَكَّرُوْا یَحْشُرُوْا۔ مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ وہاں سے واپس آنے کے بعد اطلاعات مجھ تک پہنچیں وہ یہ ہیں کہ متری صاحب نے علم الہی کی تبلیغ برابر جاری رکھی، اور اس پر ان لوگوں کا استکبار یہاں تک بڑھ گیا کہ مار پیٹ پر اتر آئے۔ ادھر سے نہایت عاجزی و سکنت کے ساتھ وَالْقُوَّةَ وَالْجَبَالَ وَالصَّلٰوۃَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ کا حکم سنایا گیا اور ادھر سے جواب میں ڈنڈے برسائے گئے۔

اِنَّ اللّٰہَ وَاٰتٰیہٗ دَاجِعٌ۔ کیا اس حد کو پہنچ کر بھی کوئی شخص مسلمان رہ سکتا ہے؟ اول تو عَادَہ ترک نماز خود ایک ایسا فعل ہے جس پر ایمان کے سلب ہو جانے کا ظن غالب ہوتا ہے۔ تاہم زمانے بگڑے ہوئے حالات کی رعایت سے اس بارے میں حکم کو کچھ نرم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن جب فرض یاد دلایا جائے اور اس کا جواب صریح انکار سے دیا جائے، اور جب انکار پر اتنا اصرار ہو کہ فرمان الہی ماننے والے کو مارا جائے تو بتائیے کہ ایسے دل میں ایمان کا شائبہ بھی ہو سکتا ہے؟ ایسے لوگ بھی مسلمان ہوں تو آخرنا مسلمان کون ہوں گے؟ مگر واقعہ یہ ہے کہ ہمارے قوم میں ایسے ایک دو نہیں بکثرت لوگ شامل ہیں۔ کریدے نہیں گئے اس لیے ان کا حال جھپٹا ہوا ہے، اور محض گناہ گار مسلمان ہی سمجھ کر چھوڑ دئے جاتے ہیں۔ اگر کریدے جائیں تو صاف

کھل جائے کہ خدیفہ قسم کے منافق ہیں جو مسلمان کی حیثیت سے ہماری قوم میں شامل ہیں۔ مسلمانوں کی معاشرہ میں گھسے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں میں شادی بیاہ کر رہے ہیں۔ مسلمان بچوں کے معلم ہیں۔ قومی ادارات کرتا دھرتا ہیں۔ سیاسی مجالس میں قوم کے نمائندے ہیں۔ غرض ہر جگہ مسلمان کے طور پر لیے جا رہے ہیں۔ یہ نوکر و رگائیں اجماع جسم جو آپ کو نظر آ رہا ہے اس کا پھیلاؤ بڑی حد تک اسی آئینہ، اسی سوچن کا رہنما ہے۔ اسی لیے جتنا اس قسم کا پھیلاؤ ہے اتنا اس میں زور نہیں ہے۔ سوجے ہوئے جسم کا مثلاً پاؤں کا نہیں، اٹا ضعف کا سبب ہوتا ہے۔ مردم شماری کا یہ عدد کثیر دراصل ان منافقین کی تعداد کثیر ہی بنا ہے، اور اسی نے ہم کو دھوکے میں ڈال رکھا۔ ہم اس تعداد کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اللہ اکبر! ہم ہندوستان میں نوکر دریاں۔ بھلا اتنی بڑی قوم بھی کیسے بن سکتی ہے؟ (HOPELESS MINORITY) ہو سکتی ہے۔ مگر سوچنے کا مقام ہے کہ مسلمان اور وہ بھی نوکر و کسی ایک ملک میں موجود ہوں، اور بھران کے بدبے وہ ملک لرزنا اٹھے، ان کے وزن سے اس ملک کا ہر ذرہ دب جائے، یہ کہیں ممکن ہے؟ کہیں یہ بات تصور میں بجا آ سکتی ہو کہ مسلمان اتنی بڑی تعداد میں ہو کر بھی غلام ہوں، بے وزن اور بے اثر ہوں؟ یہ دراصل ممکن ہی اس وجہ ہو کہ اس مردم شماری میں اکثریت منافقوں کی ہے۔ خدا کے قانون کے بغاوت کرنے والے اس میں بھرے ہوئے ہیں۔ اس میں ان لوگوں کی کثرت ہے جن کو خدا کی اور اس کے قانون کی ذرہ برابر پروا نہیں۔ یہ بھاری بھر کم تعداد ایسے بہت لوگوں پر مشتمل ہے جو ہمارا جب پورے تھلہ کے تو جیرامیوں تک حکمرانوں سے انکار نہیں کر سکتے اس لیے کہ وہاں سے روٹی بھی ملتی ہے اور جوتی بھی مل سکتی ہے، مگر خدا کو بڑے سے بڑے حکم کو بھی ٹھکرا سکتے ہیں اس لیے کہ نہ وہ انھیں روٹی دیتا نظر آتا ہے، اور نہ انھیں اس کی کسی سہرا کا خوش ہے۔ اس قسم کے منافقین کی کثرت ہی بخیریں اس قدر کم زور کیا ہے۔ اگر یہ کبے سب ہماری جماعت سے نکل جائیں اور حقیقی مسلمان نوکر و نہیں و لاکھ بلکہ اس سے بھی کم ہو جائیں تو خدا کی قسم ہمارا وزن موجودہ حالت سے بدرجہا زیادہ ہوگا اور ہم اب بہت زیادہ زور آور ہوں گے۔

مسلمانوں کو درحقیقت متبعین اسلام کی تعداد بڑھانے کی جس قدر ضرورت ہے اس سے زیادہ ضرورت اس کی ہے کہ منافقین کی اس بھرتی سے اپنی جماعت کو صاف کر دیں۔ ان کا کھلنا رحمت ہے اور ان کا شامل رہنا لعنت ہے۔ جن کی گردن خدا کے سامنے اکڑتی اور بندوں کے سامنے جھکتی ہے ان کی ہمیں قطعاً ضرورت نہیں۔ ہم کو صرف ان کی ضرورت ہے جو خدا کے سامنے جھکنے والے اور رب کے سامنے اکڑنے والے ہوں۔ انھیں یہ دیکھتے دیکھتے تھک گئی ہیں کہ جو لوگ قانونِ الہی سے کھلم کھلا باغی ہیں وہ نہ صرف مسلمانوں میں شامل ہیں بلکہ اسلام کے نام سے فائدہ اٹھانے میں سب سے پیش پیش ہیں۔ مسلم قوم کے نام پر حقوق لینے ہوں، روٹیاں چل کر پی ہوں، اعزاز اور مناصب اور کرسیاں طلب کرنی ہوں تو یہ درجہ اول کی مسلمان لیکن اسلامی عقائد و اسلامی احکام کی پابندی کے لحاظ سے دیکھتے تو کسی درجہ کے مسلمان بھی نہیں، بلکہ اسلام سے، اُس کے عقائد سے، اس کے احکام سے، اس کے شعار سے غرض ہر چیز سے منحرف، اور صرف منحرف ہی نہیں بلکہ علی الاعلان باغی۔ اگر ان لوگوں میں کسی قسم کا اخلاقی احساس موجود ہوتا تو جس وقت پہلے اندر یہ بات پاتے کہ اسلام کی اطاعت پر ان کا نفس تہادہ نہیں ہے، یا اسلام ان کے دل و دماغ میں نہیں اُترتا اُسی وقت اپنے غیر مسلم ہونے کا صاف اظہار کرتے اور مسلمانوں کی سوسائٹی سے الگ ہو جاتے۔ اس صورت میں ہم ان کو کم از کم انانی احترام کا مستحق تو ضرور سمجھتے۔ لیکن جو طریقہ انھوں نے اختیار کر رکھا ہے وہ نہیں کسی عزت اور کسی احترام کا مستحق نہیں رکھتا اس لیے کہ منافق اور جاسوس کے لیے دنیا کے کسی قانون میں بھی کوئی حرمت نہیں۔ زاد قوموں میں ایسے لوگوں کو بھانسی دی جاتی ہے۔ ہم آزاد نہیں تو کم از کم اتنا ہی کر سکتے ہیں کہ ان کو اپنی جماعت سے نکال باہر کریں، چاہے یہ ہمارے بھائی بند اور عزیز و اقارب ہی کیوں ہوں۔

اسلام باپ بیٹے کو نالغہ میں نہیں ملتا کہ جو مسلمان کے گھر پیدا ہو وہ لاجالاً مسلمان ہی ہو۔ اسلام کو نسلی قومیت نہیں ہے کہ جس طرح انگریز بہر حال انگریز رہتا ہے خواہ اس کے عقائد اور اصول حیات کیسی ہی

ہوں، اسی طرح مسلمان بھی بہر حال مسلمان ہی رہے، خواہ وہ قرآن کی تعلیم اور اس کے احکام کا متبع ہو یا نہ ہو۔ جن لوگوں نے مسلمان کے معنی یہ سمجھے ہیں، اور اس بنا پر وہ اسلام سے باغی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مسلمان کہتے اور سمجھتے ہیں بلکہ مسلم قومیت کے علمبردار اور حقوق مسلمین کے وکیل بھی بنتے ہیں ان سے صاف کہتا ہوں کہ وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اسلام محض ایک عقیدہ، ایک مسلک اور ایک نظم زندگی ہے۔ جو اس کی صحت و صداقت پر ایمان لا کر اس کا اتباع کرتا ہے وہی مسلمان ہے، اور جو اعتقاد و عمل اس کا متبع نہیں وہ مسلمان بھی نہیں۔ اس کا باب اگر اس مسلک کا پیرو تھا تو ضرور وہ مسلمان تھا لیکن اگر وہ خود اس کا پیرو نہیں ہے تو وہ مسلمان نہیں ہے اور مسلمانوں کی جماعت میں اس کا شامل رہنا سراسر ایک جھل ہے۔ سارے یا مین کی اولاد اگر شوٹلرم کی متقصد نہ ہو تو آپ انہیں محض اس بنا پر شوٹلرم نہیں کہہ سکتے کہ ان کا باپ شوٹلرم تھا۔ سیوینی کا بیٹا اگر فاشرزم کا متقصد نہ ہو تو آپ اسے فاشرزم نہیں کہہ سکتے، کیونکہ سیوینی کا خون چاہے اس کو لطفہ میں ملا ہو مگر فاشرزم تو نہیں ملا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اسلام بھی حبل سی طرح ایک نسلی چیز نہیں بلکہ شعوری اور نسلی چیز ہے، تو ان لوگوں کو مسلمان کہا جائے جو مسلمان ماں باپ کی اولاد ضرور ہیں مگر نہ اپنے شعور کے اعتبار سے مسلمان ہیں اور نہ مسلک کے اعتبار سے۔ اسی بنا پر تو قرآن نے حضرت نوح کے بیٹے پر اِنَّهٗ لَکَیْسٌ مِّنْ اٰہِلٰہٖ اِنَّہٗ سَعَمَلُ غَیْرُ صٰلِحٍ کا حکم لگایا ہے۔

اگر کسی کو ان پر آپؐ ولایتی سودیشی بھنڈا کا بورڈ لگا دکھیں، یا کسی سوسائٹی کا نام اشتراکی جہانوں کی جماعت“ سنیں تو یقیناً آپ کو یہ چیز مضحکہ انگیز معلوم ہوگی، کیونکہ یہ صریح تناقض بیان (CONTRADICTION IN TERMS) ہے۔ لیکن آپؐ اسلامی ہوئیک اور اسلامی انشورنس کمپنی جیسے نام سنتے ہیں اور آپ کو ہنسی نہیں آتی، اور نہ اس میں آپ کو کسی قسم کا تناقض محسوس ہوتا ہے۔ آخر اس بے شعوری کی وجہ کیا ہے؟ صرف یہ کہ اسلام کے متعلق آپؐ کا تصور بالکل غلط ہے۔ آپ مسلمان زادے کو لازماً مسلمان سمجھتے ہیں، اور پھر

یہ مسلمان جو کچھ بھی کرے وہ آپ کے نزدیک "اسلامی" ہوتا ہے، خواہ وہ اصول اسلام کی عین ضد ہی کیوں ہو۔ کچھ بعید نہیں کہ اس بے شعوری کی بنا پر آپ رفتہ رفتہ اسلامی شرا بن جائے، اسلامی قبیح خانہ، اسلامی قمار خانہ، اسلامی رقص گاہ وغیرہ ناموں کو سننے اور قبول کرنے کے لیے بھی تیار ہو جائیں!

مسلمانوں کی زندگی میں ہر طرف ہی تناقض مجھے نظر آ رہا ہے۔ ایک صاحب کی ہٹل میں بیٹھو خدا اور رسول کا مذاق اڑا رہے ہیں اور اسلام پر بھبتیاں کس رہے ہیں، مگر پھر بھی مسلمان ہیں۔ دوسرے صاحب مارکس پر ایمان لائے ہوئے ہیں اور محمد رسول اللہ کی تعلیم کے متعلق خود کہتے ہیں کہ میرے دماغ میں نہیں کاتی۔ مگر یہ بھی مسلمان ہیں۔ تیسرے صاحب سود کھاتے ہیں اور زکوٰۃ کا نام تک نہیں جانتے مگر یہ بھی مسلمان ایک اور بزرگ بیوی اور بیٹی کو حیم صنا یا شریعتی بنائے ہوئے سینا لیے جا رہے ہیں یا کسی قص و سرود کی محفل میں صاحبزادی سے دیولین بجا رہے ہیں اور آپ کے ساتھ بھی لفظ مسلمان بدستور چپکا ہوا ہے۔ ایک دستر ذات شریف کے لیے نماز روزہ، حج، زکوٰۃ سب حرام اور شراب زنا سود اور ایسی ہی سب چیزیں حلال، اہلام اور اس کی تعلیمات کے متعلق ایک حرف نہیں جانتے، زندگی دیکھیے تو ان میں اور ایک ہندو یا عیسائی یا پارسی کی زندگی میں رتی برابر فرق نہیں، مگر ان کو بھی مسلمان ہی کہا جاتا ہے۔ اسی طریقے سے آپ اپنی جماعت کا جائزہ لیں گے تو اس میں بھانت بھانت کا "مسلمان" آپ کو نظر آئے گا۔ مسلمان کی اتنی قسمیں ملیں گی کہ آپ اس کا شمار نہ کر سکیں گے۔ اسلام کے گھر کو ایک چڑیا گھر سمجھ لیا گیا ہے کہ جس میں جیل، کوٹے، گدھ، بیڑ، تیر اور ہزاروں قسم کے جانور جمع ہیں اور ان میں سے ہر ایک "چڑیا" ہے کیونکہ چڑیا گھر میں داخل ہے۔ خدا ار کوئی بتائے کہ یہ ہر کیا مذاق ہے، اور کتب جاری رہے گا بکیر نہ ہم اس چڑیا گھر کو توڑ دیں تاکہ اس "چڑیا" کو قیامت کا خاتمہ ہو جاوے اور ہر چڑیا اپنی اپنی فطرت سے جائے، یہ ناخوشوں کا اجتماع آخر کس معنی میں ہمارے لیے مفید ہے؟

ابھی ایک صاحب کا خط لکھا ہے پاس آیا جس میں انھوں نے مسلمانوں کو ایک بڑے شہور لیڈر کو ساتھ اپنی گھٹک کا خلاصہ بیان کیا ہے یہ لیڈر صاحب قومی حقوق کے علمبردار اکبر ہیں، اور اس جہت سے ان کو مسلم اکبر ہونا چاہیے تھا مگر خیال میں یہ کس یا اور نے لکھا

چاہی، اولیٰ میں لادیں کمال انارک کی سند ہے۔

میں اسلام نکار کو جانے کہ اپنے ان ایڈیٹرز کے ہونے کے ساتھ ساتھ وہ انہیں کی سند کا تم باع کر رہے ہو تو تم کو یہ
جانب تھی ہو سکتا ہے کہ تم کی ہر چیز کے عالم بلکہ ہر مگر اسلام میں تمہاری غیرت بلطین کی ہر تم کہ ہو کہ سیتا کا تعلق اسلام کا دنیا جاتا
بہت اچھا، مان لیا کہ کاٹنا چاہو گرتا ہو کہ زندگی کی کسی چیز کا تعلق تم اسلام قائم رکھنا چاہو تو مند متاثر کا ہر معاشی معاملات
کا و اخلاق و ادب کا تعلیم کا ہر تہائی قوانین کا ہر ایک ایک چیز کی حق میں تمہاری فیصلہ کر کے بھی کاٹو، اور علامہ کاٹ چکی ہو موطر
دیو کیے ہم مانڈتے ہیں کہ یہ سب چیزیں بھی اسلام الگ کر دی جائیں۔ اچھا اب ان چیزوں کے تعلق کہ جن کو تم کہتے ہو کہ یہ مذہب
تھا، ان کے تعلق تم کہتے ہو کہ خیالات جدید (MODERN THOUGHT) میرا حق ہیں۔ جو باتیں ان مطابق
وہ اسلام میں رہیں اور جو ان خلاف ہیں وہ نکالی جائیں یا یہی جائیں۔ اور لطف یہ کہ اگر تم سوچو چھوٹا اسلام میں کچھ چیزیں
خیالات جدید کو نفی ہیں، وہی بتا دیجئے تو تم اس کا جواب بھی نہیں دے سکتے، حتیٰ کہ اسلام کے تعلق تم اس کو کچھ نہیں جانتا کہ اسلام
وہی ہو جو کہ اسلام ہو! اس کے بعد احکام اور فرائض کا سوال سنا، تاہو ان میں کس چیز کی پابندی کے لیے تم تیار ہو؟ نماز کی؟
روزہ کی؟ حج کی؟ زکوٰۃ کی؟ کسی چیز کی پابندی کے لیے بھی تم تیار نہیں۔ حقیقت ان کو تم فرض ہی نہیں جانتے! چھاح
اس باب میں تمہارا فتوہ یہ کہ یہ کوئی مذہبی چیز نہیں بلکہ ایک تمدنی معاملہ ہے۔ مسلم اور غیر مسلم کو درمیان بھی ہو تو مضامین
نہیں۔ اس اثر سے کل کر بھی کچھ خوش طبعی کر لی جا تو دنیوی خیالات کی پیروی نہ کرنی چاہی کہ اس پر ناک بھونٹا
جائے۔ اس ارشاد ہو کہ یہ سب چیزیں نکل جائے بعد اسلام ہو کیا چیز؟ اس میں رہ کیا جاتا ہے؟ فقط نام؟ یہ ہم نے کسی ہر
جس علمبردارین کو آپاٹے ہیں؟ اس نام کے لیے ہم دنیا بھر سے لڑائی مول لیں؟ اس کے لیے ہم ہر ایک قوم کو الگ جی جمیت
بنائیں؟ اس کے لیے تمہاری جلوس نکالیں اور تمہیں جھنڈے پر چڑھائیں؟ یہ تمہاری چیخ پکار اور یہ تمہاری بلند آہنگیاں
بے معنی شے کے لیے ہیں؟

یہ لوگ علم کو تو محروم ہیں ہی۔ مگر ان غریبوں کو معمولی عقل عام سے بھی کوئی بہرہ نہیں ملا۔ یہ فرسوسٹ نہیں
کہہ سکتے کہ تو سوشلزم کو یا سوشلسٹ اور قدس الگ کر دے۔ یہ نازی اور فاشسٹ نہیں کہہ سکتے کہ تو نازیت و فاشزم

کا تعلق تمدنی نظریات اور سیاسی اور معاشی معاملات کاٹ دے۔ اگر ان کے ساتھ ایسی کوئی تجویز پیش کی جائے تو یہ خود اس کے قہر لگائیں گے اور کہیں گے کہ تمہارا دماغ خراب ہوا ہے۔ یہ غیر معقول بات تمہارے ذہن میں آئی کیسے کہ شوٹل کی سیاست یا اس کی معیشت موثر نہ رہے الگ بات ہے ان چیزوں کی نفی خود شوٹلزم کی نفی ہے، اور شوٹل ان کی نفی تو کر کے شوٹل رہ کیسے سکتا ہے؟ وہ جب دوسرے کسی نظام کے اصول و نظریات اختیار کرنے کا تو غیر شوٹل ہو جا گا۔ آپ جب چاہیں اس قسم کی کوئی تجویز ان کو سامنے پیش کر دیکھ لیں۔ ان کی طرف سے جو جوابیں دے رہا ہوں، لفظ بلفظ یہی جواب دے گا کہ سنئے آپ سن لیں گے۔ مگر عقل کو ذہن جو پڑا کچھ مسلمان کہتے ہیں، شوٹل اور زاری و بہشت کی پوزیشن تو سمجھ لیتے ہیں، البتہ مسلمان کی پوزیشن نہیں سمجھ سکتے۔ ان کی عقل میں یہ بات نہیں آئی کہ سیاست میں غیر مسلم معیشت میں غیر مسلم، تمدن و معاشرت میں غیر مسلم، اخلاق اور قانون میں غیر مسلم، افکار اور نظریات میں غیر مسلم، عقائد اور اعمال میں غیر مسلم ہونے کے بعد آدمی مسلم کیسے ہو سکتا ہے؟ اسلام جن عناصر مرکب ہو وہ سب نکل جائیں اور پھر اسلام بدلتا رہے تو قائم کا قائم رہے جو مسلم جن خیالات کے معتقد اور جن اصولوں کو پیرو کا نام ہو وہ سب اس سلب کر لی جائیں اور پھر وہ مسلم بھی کہلائے۔ کیسی متناقض بات ہے؟ ان لوگوں کا دماغ خراب نہیں ہوا تو اور کیا ہوا ہے کہ یہ مسلمان سے کہتے ہیں کہ تو غیر مسلم ہو جا اور پھر مسلمان بھی رہے؟

یہ ان لوگوں کا حال ہے جو مسلمانوں کی کشتی کے کھو یا بنے ہوئے ہیں۔ سبحان اللہ! ایسا وقت آنا بھی ہماری قسمت میں لکھا تھا کہ گندے پانی کے نہنگ کشتی اسلام کے ملاح بنیں۔

تفو بر تو اسے چسرخ گرداں تفو

بعیب فتنہ کا دور، جو زبانی اس لائق بھی تھیں کہ سلام کا پاک نام لے سکیں وہ اس کی کویل، اس کی نقیب اور اس کی حمایت کی ذمہ داری ہیں۔ منافق افراد سے قوم بھری ہوئی ہے۔ روسائے منافقین، نہایان قوم بنے ہوئے ہیں۔ اسلام کا علم رکھنے والے عجاوبوں پر قومیت متحدہ کا بھوت سوار ہے۔ ان کی غیرت ایمانی اتنی شرمیلی ہے کہ کفار کو اپنا امام نام نہیں بھی تائیں نہیں کرتے۔ غبار کو سوا کون ہے جس کو فریاد کی جائے تو وہ ہیں ہن پاک نیا اٹھالی، یا پھر تیری طلب نے کان رسد فتنوں کا کل دیا۔

مَقَالَات

جوہر حکمت

از افادات علامہ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ

[علامہ حافظ ابن عبد البر کا نام کسی صاحب علم کے لئے تعارف کا محتاج نہیں، اور نہ آپ کا مقام علم و اجتہاد کی پختی ہے۔ آپ کی شمارائے سلف کی صف اول میں ہے۔ فقیہ اور مجتہد بھی ہیں اور حافظ حدیث بھی۔ علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم جیسے اربابِ نظر ان کے خوش چمنوں میں ہیں۔ وسعتِ نظر و عالمانہ سحر و تفتہ فی الدین کے مسلم نام ہیں۔ اندلس کی خاک سے ایسا خادمِ شریعت شاید ہی کوئی اور اٹھا ہو۔ قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ ۵۲۵ ربيع الآخر ۵۳۵ یومِ پیدائش ہے۔ اپنے وطن ہی کے شہر اہل علم سے استفادہ کیا۔ علم کے لئے اندلس سے باہر بھی نہیں گئے۔ لیکن احفظ اہل المغرب تسلیم کو گئے ہیں۔ بعض وجوہ کی بنا پر جلاوطن بھی کئے گئے۔ کچھ دنوں مغربی حصوں میں رہے، پھر شرقی اندلس میں آئے۔ خلیفہ مظفر کے زمانہ میں لشبون کے قاضی رہے۔ ربيع الآخر ۶۱۵ میں وفات پائی۔ متعدد تصنیفیں چھوڑی ہیں جن میں سے ایک شہر تالیف ”جامع بیان العلم“ ہے اسی سے ہم بعض مفیدہ و کلی اعتبار سے درج کرتے ہیں۔]

تقلید اور اتباع کا فرق ابو عبد اللہ بن غزیز مناد البصری المالکی فرماتے ہیں :-

”در شرع میں تقلید کا مفہوم یہ ہے کہ کسی ایسے قول کی پیروی کی جائے جس کی دلیل صحت پر متعدد کو اطلاع نہ ہو۔ یہ تقلیدِ شریعت کی بجگاہ میں ناجائز ہے۔ اور اتباع ایسے قول کی پیروی کو کہتے ہیں جو

دلیل و حجت سے ثابت ہو۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :-

”اگر تم کسی شخص کے قول کی اقتداء و دلائل کی قوت کے بجائے محض حسنِ ظن کی بنا پر کرتے ہو تو تم اس کے تقلید کہے جاؤ گے اور اللہ کے دین میں تقلید منوع ہے۔ اور اگر تم کو حجتِ برہان کی طاقت کسی قول کی پیروی پر مجبور کر دیا ہے تو تم اس کے متبع کہلاؤ گے۔ اتباع، شریعتِ الہی میں جارہے خلافِ تقلید کے۔“

مقاصدِ تقلید | نقلی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے اپنی اتاری ہوئی کتاب میں جگہ جگہ تقلید کی مذمت کی ہے۔ عدی بن حاتم دربار رسالت میں ایک بار حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورہ براءت کی تلاوت فرما رہے تھے۔ جب آپ آیت **لَا تَتَّخِذُوا الْاَحْبَادَ هُمْ وَاَوْلٰیاءُہُمْ دُہبًا** اترے تو عدی پر پہنچے تو عدی ابن حاتم نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہم نے تو اپنے علماء و مشائخ کو کبھی نہیں پوجا آپ نے فرمایا کیوں نہیں کیا وہ لوگ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو تمہارے لئے حلال نہیں کر دیا کرتے تھے اور تم بلا حیل و حجت انہیں حلال سمجھ لیتے تھے؟ اسی طرح کیا وہ خدا کی حلال ٹھیکرائی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں کر دیتے تھے اور تم بے چون و چرا انہیں حرام مان لیتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا ہاں یہ تو صحیح ہے۔ حضور نے فرمایا **تَلٰکَ عِبَادَہُمْ** یہی ان کی عبادت ہے۔ اسی اندھی تقلید کی داستان ایک مقام پر قرآن یوں بیان کرتا ہے :-

وَکَذٰلِکَ مَا اَرٰکُمْ لَنَا فَعَلٰکُمْ فِیْ قَوْمِکُمْ مِّنْ ذٰلِیْکَ الْاَوَامِرُ فَوْقَہَا اور اسی طرح تم سے پہلے جس ڈرانے والے (نبی) کو بھی ہم نے کسی قریب بھجایا اس اس قریہ کے کھاتے پیتے لوگوں ہی کہا کہ ہم نے تو اپنے بڑوں کو ایک راستے پر پایا ہے اور ہم تو انھیں کے **اَنَّا وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا عَلٰی اَمْتٍ وَّاَنَّا عَلٰی اَنۡفَادِہِمۡ مُّقْتَدُونَ** نقش قدم کی پیروی کریں گے۔

گویا محض تقلیدِ آباء نے انھیں ہدایت قبول کرنے سے روکا۔ اور آخر کار انھوں نے صاف صاف کہنا

کہ ہم تمہاری تعلیم کو کبھی نہیں ان سکتے اِنَّا بِمَا ارْسَلْنَاكُمْ بِهِ كَاثِرُونَ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بت پرستوں سے مذمت اور تحقیر کے انداز میں فرماتے ہیں کہ:-
مَا لَهُمْ بِاللَّاتِ وَالْعِزَّىٰ اَنْ يُّخَذَّ لَهُمْ عَاكِفُونَ۔
یہ بتیں کیا کسی ہیں جن کے تم گرویدہ ہو رہے ہو؟
عاکفون۔

تو جواب میں وہ بس یہی دلیل دیتے ہیں کہ:-

وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَانَتْ لَهُمْ يَفْعَلُونَ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا ہے۔

اسی طرح بنیما آیتوں میں اس آواز پرستی اور اکابر قوم کی کورانہ تقلید کی مذمت کی گئی ہے۔ اگرچہ ان آیتوں میں جن مقلدوں کی مذمت بیان کی گئی ہے وہ کفار میں سے ہیں اور امت اسلامیہ کے مقلدین ہل یا ان میں سے ہیں۔ یہ فرق ضرور ہے۔ لیکن اس کے باوجود علماء نے انہی آیتوں سے ابطالِ تقلید پر استدلال کیا، ان کے نزدیک دونوں گروہوں میں وجہِ شائبہ کفر و ایمان نہیں ہے، بلکہ یہ شائبہ دونوں تقلیدوں کی نوعیت کے لحاظ سے ہے یعنی جس طرح پہلی قسم کے مقلدین کا گناہ یہ تھا کہ وہ دلیل و حجت کے بغیر اپنے پیشواؤں اور اپنے اسلاف کی تقلید کرتے تھے اسی طرح یہ دوسری قسم کے مقلدین بھی کسی طریقہ کی پیروی کے لئے خدا کی کتاب اور رسول کی ہدایت سے دلیل ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں سمجھتے بلکہ مجرد ایسے لوگوں کے قول کو سنا اور حجت سمجھتے ہیں جن کے ساتھ انہیں حسِ ظن ہے۔ یہ فرق ضرور ہے کہ ایک شخص تقلید کرتا ہے اور انجام کار کفر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ دوسرا تقلید کرتا ہے اور گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور تیسرا کسی معمولی دنیوی مسئلہ میں تقلید کر کے خطا میں پڑ جاتا ہے۔ اگرچہ ان کا انجام جادہا ہوا مگر اس لحاظ سے تو سنا ہیں کہ ان کے مبتلائے غلط فہمی کی علت ایک ہے یعنی غیر نبی پر اعتمادِ تام، اور کسی ایسے شخص کے پیچھے چلنا کہ اس کے چلن جس کے پاس خدا کی طرف سے براہِ راست علم نہیں آتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا کہ میں اپنے بعد اپنی امت کے لئے اس تین اعمال سے ڈرتا ہوں کہ

ہوں، پوچھا گیا یا رسول اللہ وہ اعمال کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا ”عالم دین کی نفرت، ظالم بادشاہ کی مکاری اور خواہش نفس کی پیروی“

ابوالعالیہ الریاحی سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا ”عالم کی نفرتوں سے متبعین کے لئے بڑی خرابی ہے“ لوگوں نے کہا اس کی توضیح فرمائیے۔ جواب دیا:-

”ایک عالم اپنی رائے سے ایک بات کہتا ہے، پھر کسی بڑے عالم بالسنتہ کو پاتا ہے اور اس سے شریعت کا صحیح حکم سن کر اپنے قول سے رجوع کر لیتا ہے۔ مگر جو لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں انہیں اس رجوع کی کیا خبر؟ وہ تو اسی پہلے قول کی پیروی کئے پہلے جائیں گے جن سے وہ رجوع کر چکا ہے“

مکمل اسنے عالم کی غلطی کو کشتی کے ٹوٹنے سے تشبیہ دی ہے، کیونکہ جب وہ ڈوبتی ہے تو اپنے ساتھ ایک کثیر جماعت کو بھی غرق کر دیتی ہے۔ یہی حال عالم کا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل نے فرمایا کہ لوگو! تم تین چیزوں کے ساتھ کیا کرو گے؟ دنیا، جو تمہارے لئے سراپا ہلاکت ہے۔ عالم کی نفرت۔ اور منافق کا قرآن سے استدلال۔ یہ سوال سن کر سب لوگ خاموش رہے پھر حضرت معاذ نے خود ہی جواب دیا:-

”پہلے عالم کو بے علم اگر ہدایت کی سیدھی شاہراہ پر ہے تو جو شیعیت میں تھیں نہ چاہئے کہ اپنا دین اس کے پیروں کے پیروں پر ڈال دینا (یعنی اس کی اتنی تقلید کرنے لگو)۔ اور اگر وہ شاہراہ ہدایت سے ہٹا ہوا ہے اور فتنوں کا کنارہ ہو گیا ہے تو اشتعال میں آکر اس سے اپنے تعلقات بالکل منقطع نہ کر لو کیونکہ مومن بھٹک کر تائب ہو جایا کرتا ہے.... الخ“

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ:-

”دیکھو تم میں سے کوئی اپنے دین کی باگ کسی دوسرے انسان کے ہاتھ میں نہ دے کہ اگر وہ ایمان پر رہے تو تم بھی صاحب ایمان رہو اور اگر وہ گمراہ ہو گیا تو تم بھی اسی کے ساتھ گمراہ ہو جاؤ۔

شرع میں آنکھیں بند کر کے چلنے کا کام نہیں ہے۔

محمد بن حارث سے روایت ہے کہ مالک بن انس اور عبدالعزیز ابن ابی سلمہ اور محمد بن ابراہیم بن دینار وغیرہ ابن ہریرہ کے پاس جایا کرتے تھے۔ جب مالک بن انس اور عبدالعزیز ان کے کسی مسئلہ کے متعلق استفسار کرتے تو وہ جواب دے دیتے لیکن جب کبھی ابن دینار وغیرہ کوئی سوال کرتے تو وہ خاموش رہتے۔ ایک ابن دینار نے ان سے کسی قدر ملول اور کبیدہ خاطر ہو کر پوچھا کہ آپ کیا کیوں کرتے ہیں؟ ابن ہریرہ جواب دیا کہ تمہیں میری اس روش سے برا نہ ماننا چاہئے۔ بات یہ ہے کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میری ہڈیاں کمزور اور اعضا مضاعف ہو گئے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرے بدن کی طرح میری عقل و فہم بھی ضعیف اور مضاعف نہ ہوگی ہو اور میں صحیح و حق جواب نہ دے سکوں۔ مالک اور عبدالعزیز عالمانہ نگاہ و فقیہانہ بصیرت رکھتے ہیں جب مجھ کوئی خلاف حق بات نیگے تو اپنے علم و فہم کی کسوٹی پر پرکھ کر رد کر دیں گے لیکن تم لوگوں کا حال بالکل دوسرا ہے۔ میں جو کچھ بھی کہوں گا، خواہ غلط ہو یا صحیح، سب قبول کر لو گے۔ محمد بن حارث یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم یہی دین کامل اور عقل راجح کی شان ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے:-

”ایک وقت اے گا جب علما ختم ہو جائیں گے اور لوگ کم سوادہ لوں سے مسائل شرعیہ میں بحث کریں گے۔

وہ غیر کسی علم و اگہی کے فتوے دیں گے، خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔“

سنان ابن عیینہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ربیعہ لٹے ہوئے منہ ڈھاک کر رہے تھے۔ لوگوں نے

پوچھا کیا بات ہے؟ فرمایا کھلی ہوئی ریاکاری اور خفیس پرستی کا عام طوفان آیا ہوا ہے اور لوگ علماء کے ہاتھوں

میں اس طرح پڑے ہیں جیسے شیر خوار بچے اپنی ماؤں کی آغوش میں کہ جس چیز سے علماء روکتے ہیں یہ اس سے بڑھ کر

ہیں اور جس چیز کا وہ حکم دیتے ہیں یہ بلا چون و چرا اسی کو کرنے لگتے ہیں۔

الیوب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ:-

”تم اپنے شیخ کی غلطی پر اس وقت تک مطلع نہیں ہو سکتے جب تک دوسرے علماء کی محبت نہ اختیاری کر دو۔“
عبد اللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ:-

”مقلد انسان اور اس جانور میں کوئی فرق نہیں جس کی گردن کی یہی کسی اور کے ہاتھ میں ہو۔“

یہ تمام نصوص اور اقوال تقلید محض کے ابطال پر شاید ہیں لیکن اس شہادت کے سننے اور سمجھنے کی عقل و فہم کی ربانی توفیق درکار ہے۔

ابطال تقلید نظری حیثیت سے | وجوب یا جواز تقلید کے قائل سے سوال یہ ہے کہ اس نے کس دلیل کی بنا پر اسے جائز یا واجب قرار دیا، اور کیونکر تمام سلف کے خلاف راہ اختیار کی؟ اس لئے کہ سلف صالح میں تو کسی سے بھی تقلید ثابت نہیں۔ اس سوال کے جواب میں اگر وہ یہ کہے کہ میں کتاب و سنت سے واقف نہیں ہوں اور امام اُن سے واقف ہے لہذا میں اس کی تقلید کر رہا ہوں تو اس سے کہا جائے گا کہ جو مسائل شرعیہ تمام ائمہ مجتہدین کے درمیان متفق علیہ ہیں، وہ یقیناً حق ہیں اور ان کے بارے میں تم تقلید کر سکتے ہو لیکن جن مسائل میں اختلاف ہے، ان میں ایک امام کی رائے کچھ ہے اور دوسرے کی کچھ، ان میں تم کس دلیل کی بنا پر ایک شخص معین کی تقلید کرو گے اور دوسرے کو چھوڑ دو گے درحالیکہ یہ سب امام، عالم اور مجتہد ہیں؟ بہت ممکن ہے کہ وہ مجتہد جس کی رائے کو تم ناقابل التفات سمجھ رہے ہو تو ہمارے امام سے زیادہ صحیح مسلک لکھتا ہو۔ اگر وہ یہ جواب دیتا ہے کہ میں نے حق و صواب پر سمجھ کر تقلید کر رہا ہوں، تو اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا اس کے قول کی صحت کا علم تمہیں کتاب و سنت یا اجماع سے ہوا ہے؟ اگر اس نے اثبات میں جواب دیا تو خود اس تقلید کا ابطال کر دیا۔ پھر اس صورت میں اس سے ان دلائل کا مطالبہ کیا جائے گا جن کا اس نے بھی ادعا کیا ہے۔ اور اگر وہ پھر وہی جواب دے کہ چونکہ وہ مجھ سے بڑا عالم ہے اس لئے میں نے اس کی پیروی کی، تو اس سے

کہا جائے گا کہ اگر یہ تقلید کا سبب تو ہر شخص کی تقلید کرو جو تم سے بڑا عالم ہو۔ اس وقت تمہارے بے شمار امام ہو جائیں گے جن کی پیروی مذکورہ بالا اصول یا علت کی بنا پر تمہارے لئے ضروری ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ تمام علماء بھی ہمیشہ متفق رائے نہیں رہ سکتے۔ ان میں اکثر اختلاف رائے ہوتا رہے گا۔ پھر تم ان میں سے کس قول کی تقلید کرو گے اور کیوں؟ اب اگر وہ کہے کریں ان میں سے ایک کا اتباع اس وجہ سے کروں گا کہ وہ تمام میں سربراہ اور وہ اعظم الناس ہوگا تو اس سے کہا جائے گا کہ گویا وہ صحابہ سے بھی بڑھ کر صاحبِ علم ہے اور کس قدر مذموم خیال ہے۔ ہاں اگر وہ یہ کہہ دے کہ میں پھر اپنا چاہتا ہوں تو صحابہ کرام میں سے ایک کی تقلید کرتا ہوں تو پھر سوال ہوگا کہ دیگر صحابہ کے اقوال کو ترک کرنے کی وجہ اور دلیل تمہارے پاس کیا ہے؟ ممکن ہے دوسرے صحابہ زیادہ علم و معرفت اور عظمت و فضیلت کے مالک ہوں۔ علاوہ ازیں کسی قول کی صحت و عدم کا دار و مدار تو تمام تر دلائل پر ہے۔ قائل کی شخصیت اور شانِ فضیلت پر نہیں ہے۔ چنانچہ امام مالک فرماتے ہیں کہ آدمی کا ہر قول خواہ وہ کیسا ہی صاحبِ علم و فضل ہو، اتباع کے لئے نہیں ہے۔ قرآن حکیم مومن کی تعریف یہ کرتا ہے کہ وہ اقوالِ سُنَّہ ان میں سے محض حسن قول کی پیروی کرتے ہیں اَلَّذِينَ بَسَّطُوا الْقَوْلَ لِقَوْلِهِمْ حَسَنًا۔

اب اگر وہ اپنے قصور و علم اور عدم بصیرت کا عذر کرے تو اس سے کہا جائے گا کہ ہاں یہی صورتیں تم بلاشبہ کسی عالم کی تقلید کرنے میں نہ صرف معذور ہو بلکہ تم پر اس وقت تقلید کا التزام ضروری ہے کیونکہ تمہاری مثال بالکل اندھے کی سی ہے جو خود قبلہ کی سمت نہیں معلوم کر سکتا اور اس کے لئے ضروری ہے کہ کسی قابلِ اعتماد آدمی کی رہنمائی قبول کرے اور جس طرف وہ کہے اسی سمت منہ کر کے نماز پڑھے۔ لیکن ایسے مقلد کے لئے یہ کیسے جائز ہو گیا کہ وہ عالمِ دین ہونے کا دعویٰ کرے اور دوسروں کو بھی انہیں اقوال کے مطابق فتویٰ دیتا پھرے؟ درنہاں ایک ان کی صحت و عدم کے تعلق تو دوسرے کوئی علم نہیں ہے اور وہ اپنی جہالت کا غور و معرفت اور کم از کم نظریہ کی حد تک بھی ناتاہ ہے کہ نبی کے سوا ہر شخص خواہ وہ کیسا ہی فاضل جل ہی کبھی غلطیاں بھی کرتا ہے۔ دلیل معلوم کیے بغیر فتویٰ دینا جائز نہیں جب یہ بات طے شدہ ہے کہ عالمِ غلطی بھی کرتا ہے تو کسی کے لئے جائز نہیں

کہ شخص کے قول کی دلیل کتاب و سنت سے معلوم کئے بغیر اس کے مطابق فتویٰ دے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک خطبے کے دوران میں فرماتے ہیں کہ افسوس ہے ان حاملین علم پر جن کا علم کسی بصیرت پر مبنی نہیں، جن کے قلوب کو نسلوک کا ہلکا سا جھونکا منہ طرب کر دیتا ہے، جو نہیں جانتے کہ حق کہاں ہے، اگر غلطی کرتے ہیں تو نہیں جانتے کہ غلط کہہ رہے ہیں۔ ایسی چیز تو اپنے سینے سے چھٹائے ہوئے ہیں جس کی حقیقت بالکل واقف نہیں۔ یہ ایک فتنہ کی کیفیت ہے۔ بہت برا خیر یہ ہے کہ خدا دین کی معرفت و بصیرت عطا کرے۔ کسی شخص کے جہل کے ثبوت کے لئے یہ کافی ہے کہ اسے اپنے دین کا علم نہ ہو۔

حضرت سید ابن جبیر حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:-

”اگر کوئی شخص اندھا بن کر بغیر کسی حجت اور بصیرت کے فتویٰ دیتا ہے تو اس فتویٰ پر عمل کرنا تو

کا گناہ منیٰ کی گردن پر ہوگا۔“

حضرت ابو ہریرہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:-

جس شخص نے میرے متعلق ایسی بات کہی جو میں نے نہیں کہی تھی، اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنانا چاہو اور اگر کسی نے اپنے ساتھی سے مشورہ طلب کیا اور اس نے بغیر سوچے سمجھے مشورہ دے دیا تو اس کے ساتھ خیانت کی۔ اور اگر کسی منیٰ نے اطمینان بخش ثبوت حاصل کئے بغیر فتویٰ دیا تو اس کا گناہ عامل کے بجائے منیٰ کے سر پر ہوگا۔“

تقلید صرف عوام کے لئے ہے | لیکن ان تمام قصہ حیات سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ حکم عام ہے، اور ہر عالم

و جابل اسی کے ذیل میں آتا ہے۔ یہ حکم محض علما اور خواص کے لئے ہے۔ عوام کے لئے نہیں، کیونکہ عوام کے لئے واقعات اور حالات پیش آنے پر علما کی تقلید کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ ان کے لئے تقلید ضروری ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنے قصہ و فہم کی وجہ سے دلائل کی معرفت حاصل ہی نہیں کر سکتے۔ بایں سبب اس امر میں تمام علما کا اجماع ہے کہ عوام پر تقلید فرض ہے۔ اور ارشاد خداوندی فَاَسْكُنُوا اَهْلَ الدِّيَارِ الَّتِي كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

کاروئینجی نہیں عوام کی طرف ہے جس طرح اس بات میں کسی صاحب علم کو اختلاف نہیں ہے کہ اندھے کو قباہ معلوم کرنے میں کسی غیر آدمی کی، جس کی آگاہی اور فوت تیز پر اسے اعتبار ہو، تقلید ضروری ہے، اسی طرح اس امر میں بھی دو رائیں نہیں ہیں کہ ایسے شخص کے لئے جو شریعت کے احکام و اسرار سے قطعاً نااہل ہے، ضروری ہے کہ کسی امام کی تقلید کرے اور یہی وجہ ہے کہ عوام کو قوی دینے کا حق کسی نے نہیں دیا ہے کیونکہ وہ اسرارِ دین اور مصالح شرعیہ سے بالکل بے بہرہ ہوتے ہیں۔ البتہ غلطی پر وہ لوگ ہیں جو علم دین حاصل کرنے کے بعد بھی تقلید کے چکر میں پھنسے رہتے ہیں۔ علم دین حاصل کرنے کی غرض تحقیق حق ہے نہ کہ محض اگلوں کے اقوال سے واقف ہو جانا جب ایک شخص اس ذریعہ کو حاصل کر لیتا ہے جس سے حق معلوم کیا جاسکتا ہے، او پھر بھی وہ اس کام لے کر حق کی جستجو نہیں کرتا، اور یہ سمجھتا ہے کہ جوئے حق اس کا کام ہی نہیں ہے، تو اس کی غلط کاری و غلط فہمی ظاہر و باہر ہے۔

ترجمان القرآن۔ جیسا کہ علامہ مصلح نے مضمونِ آخر میں بھڑا خزاں دیا ہے، تقلید کی مخالفت ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ لوگ علم کے بغیر اجتہاد کرنے لگیں۔ بلکہ مقصد دراصل یہ ہے کہ اول تو مسلمان کو کم از کم اپنے دین میں حتماً ضرور واقف ہونا چاہیے کہ وہ ہر اور گمراہی میں تیز کر سکے اور بالکل انھیں بند کر کے پناہ دین، دوسروں کے ہاتھ میں نہ دے۔ دوسرے کہ جو لوگ مسیحی سلوک کی بنا پر فطریہ حاصل کرتے ہیں، ان کے لیے عقلاً و نقلاً کسی طرح بھی درست نہیں ہے کہ اپنے اوپر تقلید کو لازم کریں۔ یہ دراصل ہمارا نظام تعلیم کی کابینہ ہی نقص ہے کہ اس میں طالب علم کو تحقیق کے بجائے تقلید کے لیے نیا کیا جاتا ہے۔ وہ اس نظام میں دھن ہی اس مفروضہ کے ساتھ ہوتا ہے کہ تمام مسائل کا قطعی تصفیہ پہلے ہو چکا ہے، اس تحقیق کے لیے کوئی چیز باقی نہیں رہی، اور اس کا کام فقط یہ ہے کہ اپنے ائمہ کے اقوال سے واقف ہو جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تحقیق کے ذرائع خراب ہو جاتے ہیں اور عقیدہ ہی رہتا ہے جو تحقیق اور اجتہاد کا رجا ابتدا ہی میں فنا کر دیا جاتا ہے اور اس میں آخر وقت تک یہ تصدیق نہیں ہوتی کہ وہ کسی شے میں اس کا نام کر سکے۔ یہی نظام تعلیم جس کی خبر کی توقع کی جاسکتی ہے، قرآن مجید کو سمجھنے کے وسائل تو خراب کر دیے جاتے ہیں مگر دل میں یہ بات بٹھادی جاتی ہے کہ ان میں نہیں کام کچھ نہیں لینا ہے۔ اس سے بڑھ کر ناقص تعلیم اور کیا ہو سکتی ہے۔

وَلَدَلُّ لِسْنِ وَالْآثَارُ

۲

از جناب مولوی نجم الدین صاحب اصلاحی

ضرورت سلسلہ اسناد | یہ ایک واضح ثبوت ہے اس امر کا کہ احادیث نبوی کے ساتھ اصولی احتیاط خلفائے راشدین کے وقت سے شروع ہوتی ہے۔ تابعین کے دور میں جب نفی، خروج، ارجاء، قدر، اعتراض کے قصے پیدا ہو جاتے ہیں تو بنا برایت ان جگہ کہ فاسیق ینکأ الخ اور زیادہ تشدد و بڑھ جاتا ہے اور اسناد ایک مستقل فن قرار پا جاتا ہے جس کی بیسیوں شاخیں ہیں جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ ایک لطیف اشارہ اہمیت اسناد پر قرآن حکیم میں ہے اَمَّا تَوْنِي يَكْتَابُ مِّنْ هٰذَا اَوْ اَتَاكَ مِّنْ عَلِيمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ منکرین معاد و قرآن کے رد میں اوپر یہ سلسلہ چلا آتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے آسمان و زمین اور کل مخلوقات بنائی، کیا سپے دل سے کہا جاسکتا ہے کہ زمین کا کوئی ٹکڑا یا آسمان کا کوئی حصہ کسی اور نے بھی بنایا ہے یا نہکتا ہے ہرگز نہیں پھر خدا کے ساتھ معبودانِ باطل کو کیوں پکارا جاتا ہے؟ لہذا اگر تم اپنے دعوئے شرک میں سچے ہو تو کسی آسمانی کتاب کی سند لاؤ یا کسی ایسے علمی اصول سے ثابت کرو جو عقلاء کے نزدیک مسلم چلا آتا ہو جس چیز پر کوئی نقی یا عقلی دلیل نہ ہو آخر اسے کیوں تسلیم کیا جائے؟ ظاہر ہے کہ کسی علمی دعویٰ کے لئے دلیل و سند ہی اصل شے ہے۔ دیکھو قرآن کی صداقت پر جہاں اور بہت سی دلیلیں موجود ہیں ان میں سب سے زبردست سند اس کا تاریخی ثبوت ہے ”جبئی مذہبی کتابیں دنیا کی مختلف قوموں کے پاس ہیں ان میں سے ایک کے متعلق بھی تاریخی سند سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ وہ جس نبی کی طرف منسوب واقعی اسی نبی کی ہی بلکہ بعض مذہبی

کہا ہیں ایسی ہیں جن کے متعلق سرے سے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کس زمانے میں کس نبی پر تری تھیں۔ مگر قرآن کے متعلق تہیٰ زبردست تاریخی شہادتیں موجود ہیں کہ کوئی شخص حضرت محمد مصلم کی طرف اس کی نسبت میں شک نہ کر سکتا۔ اس کی آیتوں تک کے متعلق یہ معلوم ہے کہ کوئی آیت کب اور کہاں نازل ہوئی، جس کے روایت کرنے والوں کی اتنی زیادہ تعداد ہزارہانہ میں رہی ہے کہ جن کی صداقت و قطعیت پر ذرہ برابر شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ ایک ایک آیت اور اس کے تلفظ کی کیفیت کو ابتدائے نزول سے آج تک اتنے بیان کرنے والے ہیں کہ جن کی تاریخی حیثیت آفاقی ہے۔ زیادہ روشن ہے۔ چنانچہ یہی تو اتر علی و قولی ایسا تاریخی ثبوت اور کھلی ہوئی سند ہے کہ جس سے بڑھ کر کسی علمی شے کی ثبوت اور قطعیت کی کوئی دلیل و سند نہیں ہو سکتی۔ پس آیت بالا پر غور کرنے سے صاف طور پر یہ اصول ہاتھ آتا ہے کہ جس کسی مذہبی دعویٰ کے لئے یا تو آسمانی کتاب کی سند ہو یا کسی علمی اصول سے ثابت ہو وہ قرآن کے نزدیک محض سند دینی ہے۔

یہ تو ہونی چاہیے۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ جب کسی بات کی نسبت کسی کی طرف کی جاتی ہے تو سب پہلے سوال عقلی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ اس پر کیا ثبوت ہے کہ یہ فلاں کا کلام ہے؟ آدمی کہتا ہے کہ میں نے خود نہ یا دیکھا ہے یا فلاں نے مجھ سے بیان کیا ہے یا دیکھا ہے۔ اگر یہ سلسلہ آدمی تک مقصود ہے تو بات صاف سے۔ اب صرف بات کی معقولیت اور ناقل کی صداقت کی بحث باقی رہ جاتی ہے، جس پر مفصل بحث آگے آگے کی۔ بہر حال اہل اصول کے ماتحت آسمانی کتابیں سنن و آثار نبوی، لغت و اشعار، فقہ و اصول حتیٰ کہ ائمہ کے مذاہب اور تصوف کے سلسلے سزاوارت ہونا شروع ہوئے اور یہ سلسلہ اتنا زبردست اور محکم ثابت ہوا کہ جس کی معقولیت اور ناقابل انکار مقبولیت مخالفین کی زبانوں پر جبر سکوت لگا دی۔ غور کرو کہ پیغمبر نے ایک بات کہی یا کوئی کام کیا اگر وہ بات اور فعل اس طریقہ پر روایت ہوا اور ذرہ برابر اس کے اندر تغیر و تبدل نہیں ہوا تو ظاہر ہے کہ حق و صداقت اور روحانیت کے انرا وراس کے برکات ہیں۔ پھر کیا کسی کو کوئی شبہ ہو سکتا ہے؟ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ ہر عظم اپنے اندر ایک خاص کیفیت و اثر رکھتا ہے، جس کی مزا و امت سے آدمی نیک و بد اور بات کے صحیح و غلط کا فیصلہ کرتا ہے۔

فن حدیث میں سنا یا علم ہے کہ صرف اسی کے ذریعہ ہر دینی کام کی نسبت پیغمبر صلعم تک صحیح طور پر معلوم کی جاسکتی ہے اور اس وجہ سے گویا آدمی کے اندر معنی صحابیت کا شرف پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ معنی صحابیت نام ہے اطلاع بر نبیؐ احوال رسول و شاہدہ اوضاع و کیفیات کا، خواہ وہ عبادات سے متعلق ہوں یا عادات سے، جو بغیر سند قابل اعتبار نہیں۔ سند کے عالی اور نازل ہونے کے صد ہا واقعات کتب لجال و طبقات میں موجود ہیں جو غیر معمولی احتیاط پر دلالت کرتے ہیں۔ صرف ایک واقعہ یہاں پر درج کر دیا جاتا ہے جس سے سند کے عالی و غیر عالی ہونے کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

جب حضرت امام علی رضی اللہ عنہ نیشاپور شریف لے گئے تو حافظ حدیث امام ابو زرہ و امام ابو سلم طوسی نے خدمت میں حاضر ہو کر امام مہر و روح کے آباؤ اجداد کرام کے سلسلہ سے روایت حدیث کی درخواست کی۔ حضرت مہر و روح نے اپنے والد ماجد سے لے کر جناب رسول خدا صلعم تک مرفوعہ روایت کی، قال حدثنی ابی موسیٰ الکاظم عن ابیہ جعفر الصادق عن ابیہ محمد الباقر عن ابیہ علی زین العابدین عن ابیہ شہید کربلا عن ابیہ علی المرتضیٰ قال حدثنی جیبی و قرة عینی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال حدثنی جبرئیل علیہ السلام قال حدثنی رب العزیز سبحانہ و تعالیٰ کلمۃ لا الہ الا اللہ حصنی فمن قالہا دخل حصنی و من دخل حصنی امن من عذابی۔ جب شمار اہل مبارود و ادین کا کیا گیا تو ۲۰ ہزار اشخاص وہاں حاضر پائے گئے۔ چنانچہ اسی سند کے متعلق امام البحر و التعلیل حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں ”وقریٰ هذا الاسناد علی مجنون (فاق من جنون)“ حتی کہ امام ابوالقاسم قشیریؒ نے لکھا ہے ”اقص هذا الحديث بهذا السند ببعض امراء السامانية فكتبه بالذهب و اوصی ان یدفن معہ فی قبرہ فرأی فی المنام بعد موتہ فقیل لہ ما فعل اللہ بک فقال غفر لی بتلفظی لا الہ الا اللہ و تصدیقی ان محمد رسول اللہ، اور دہ المنادی فی شرحہ الکبیر علی الجامع الصغیر (تقصار حیوا الاحرار)

چنانچہ اسی بنا پر امام ابن سیرینؒ جو فن حدیث کے رکن اعظم ہیں ان کو کہنا پڑا، ان هذا العلم دین فانظر واعلم تلخا ون دینکم۔ قال لم یکنو نوایساً لون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سمعنا من جبالکم۔ الاسناد من الدین۔ لولا الاسناد لقال من شاء ما قال۔ الاسناد سلاح المؤمن امام زہریؒ بڑے رتبہ کے آدمی ہیں ایک روز بقیان بن عینیہ سے ایک حدیث بیان کرنی چاہی یہ بیان فرمایا کہ آپ مجھ سے بلا سند بیان کیجئے کیونکہ ان کو امام زہریؒ پر کامل اعتماد تھا۔ امام زہریؒ نے فرمایا کیا تو بلا زینہ چھت پر چڑھ سکتا ہے؟۔

اویہ واقعو توطا امام مالکؒ کے پڑھنے والے تنگ یاد ہو گا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے جو تبع تابعی اور خلفاء بنی امیہ میں بڑے رتبہ کے بزرگ ہیں جن کا شمار خلفاء راشدین کے ساتھ ہوتا ہے، ایک روز نماز عصر میں دیر کر دی۔ عروہ بن مسعود تابعی نے لوکا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبریل کے ساتھ نماز پڑھنا اور جبریل کا ابتدائی و انتہائی وقت نماز بتانا بیان کیا غلیفہ وقت کو سخت تعجب ہوا۔ استعجاباً پوچھا، اعلیٰ ما تقول یا عروہ۔ دیکھو کیا کہہ رہے ہو عروہؒ فوراً اس طرح سند پڑھ کر خلیفہ کو ساکت کر دیا کہ مغیرہ بن شعبہؒ نے کو فیہ میں ایک روز نماز میں در کر دی تو ابوہریرہؓ لوگ آیا اور کہا کہ مغیرہؒ یہ کیا ہے؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جبریلؑ نے دو روز آکر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھ کر نماز کی ابتدا و انتہا کو بیان کر دیا؟ بہر کیف یہ شہادتیں اس امر کی دلیل ہیں کہ اسناد ہی ایک ایسی کسوٹی ہے کہ جس کے ذریعہ صحیح و غلط اور روایت و خبر کے پرکھنے اور جانچنے کا اصول ہاتھ آتا ہے، انھیں اسناد میں سے بعض کو حثین و فقہان نے سلسلہ الذہب سے تعبیر کیا ہے مثلاً حضرت امام اعظمؒ کا جو سلسلہ الذہب بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہے، ابوحنیفہؒ عن حماد بن ابی سلیمان عن ابراہیم عن علقمہ عن عبداللہ بن مسعود۔ اسی طرح حضرت امام بخاریؒ کے کئی سلسلے ہیں مثلاً محمد بن یحییٰ عن محمد بن عبداللہ الانصاری عن حمید عن انس بن مالک۔ یہی امام بخاریؒ کے بعض شیوخ حضرت امام ابوحنیفہؒ و امام مالکؒ کے ہم طبقہ ہیں۔ اور ثلاثیات بخاری، بخاری شریف کی ایک اہم اور عجیب العقول چیز ہے۔ امام مالکؒ

لہ تدرب الراوی

کاسلسلہ الذہب بقول امام بخاری یہ ہے: مالک عن نافع عن عبد اللہ بن عمر اسی قسم کی سندوں کے متعلق محمد بن یزید الفاظ بھی بولتے ہیں، فقہ الشہر من ناسخ علیہ تفصیل کے لئے فنی اعتبار سے معرفۃ علوم الحدیث للعلی کم از صفحہ ۵۲ تا صفحہ ۵۸ مطبوعہ علامہ خطہ، ثبوت بالاشتہ نمونہ از خوارسہ کے طور پر درج کر دے گئے ہیں ورنہ اس رشتہ بانگشت نہ پہنچی کہ دراز است۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ہر فن میں فن والے کی رائے اور اس کی تحقیق و تشریح ہی حجت و سند ہو پس کوئی وجہ نہیں کہ سنن و آثار نبوی کے معلوم کرنے کے لئے سند کو اصل الاصول نہ قرار دیا جائے درحالیکہ کوئی اور ذریعہ اس کے مستحکم اور محتاط اذعان یقین کا موجود نہ ہو۔ بلاریب عمل بھی ایک اہم مستحکم اور محتاط ذریعہ ہے لیکن یہاں بھی یہ بحثیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ کس کا عمل؟ یا فرق باطلہ کا یا اہل حق و ارباب نقل کا؟ کیونکہ بہت سے ایسے مسائل پیدا ہو گئے ہیں کہ جن کا ثبوت صدراول میں نہ تھا اور نہ کتاب سنت سے اس کی تائید ہوتی ہے مگر جو غنی عصمت کا یہ عالم ہے کہ اسے بھی کتاب و سنت ہی سے ثابت کیا جاتا ہے اور مزید ثبوت کے لئے سواد عظم اور عملی تواریک نام لیا جاتا ہے کہ براہل علم اس پر عمل کرتے آئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمل بھی وہی صحیح اور حق ہوگا جس کا سلسلہ صحابہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ثابت ہو اور یہ چیز بھی بدون سند صحیح قابل پزیرائی نہیں ہو سکتی۔ لہذا یہ غرض گذارش ایک نہ صفت اور محقق کے لئے بس ہے، تو خود حدیث مفصل بخوان ازین مجمل۔

عدالت و ثقافت صحابہؓ | یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ قرآن حکیم خدا کا آخری بیغام ہے جو تمام عالم کی رہنمائی کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ یہ مقدس اور برگزیدہ صحیفہ زیدانی حضرات صحابہؓ ہی کے ذریعہ سارے عالم میں پہنچا اگر ان حضرات کی عدالت اور ثقافت وغیرہ مشتبہ ہی تو پھر دین و مذہب کی ساری اساس و بنیاد معرض بحث میں آجاتی ہے۔ اسی لئے قرآن کریم ہی نے سب سے پہلے صحابہ کے فضائل و اخلاق اور عدالت و ثقافت کو مفصل بیان فرمایا اور جو لوگ قرآن سے دلچسپی رکھتے ہیں اور اس کی آیات پر کامل تدبر و تفکر کرنے کے عادی ہیں ان کو کتنی حقیقت (کہ صحابہ عادل اور ثقہ تھے) آفتاب سے زیادہ واضح ہے۔ استیعاب لابن عبد البر وغیرہ مفصل گفتگو میں

لفظ عدالت ایک مشترک لفظ ہے جس کے مختلف معنی ہیں، لیکن محدثین کے نزدیک عدالت کے معنی اجتناب عن الکذب کے ہوتے ہیں یعنی اس معنی کے عاقل اس شخص کو کہیں گے جو روایات میں دروغ بیانی نہ کرتا ہو۔ تمام صحابہ کو اسی معنی میں عدول کہا جاتا ہے۔ یہی کسی محدث کا دعویٰ نہیں ہے کہ صحابہ کو کوئی بات انصاف کے خلاف نہیں کر سکتے یا ان سے کوئی فعل تقویٰ و طہارت کے خلاف صادر نہیں ہو سکتا یا وہ انبیاء کی طرح معصوم ہیں، یا وہ تمام گناہوں سے محفوظ ہیں۔ چنانچہ محدثین نے صاف صاف یہ تصریح کر دی ہے۔ علامہ سخاوی فتح المغیث میں اور فاضل کوئی ارشاد افحول میں لکھتے ہیں:-

”ابن انباری کا قول ہے کہ اتہامات کے ثبوت کے بعد یہ مطلب نہیں کھنچا بمعصوم ہیں اور ان سے گناہوں کا سرزد ہونا محال ہے مطلب یہ ہے کہ ان کی روایتوں کو اسباب عدالت وثقا کی چھان بین کے بغیر قبول کر لینا چاہئے۔ بجز اس صورت کے جب وہ ایسے امر کا ارتکاب کریں جو روایات میں قاذح ہو اور یہ ثابت نہیں ہے۔“

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی لکھتے ہیں:-

”اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ صحابہ کل کے کل عادل ہیں۔ یہ لفظ بار بار بولا گیا اور میرے والد مرحوم (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) نے اس لفظ کی حقیقت بحث کی تو یہ ثابت ہوا کہ اس موقع پر عدالت کے متداول معنی مراد نہیں ہیں۔ بلکہ صرف عدالت فی روایۃ الحدیث مراد ہے۔ اس کے سوا اور کچھ مراد نہیں اور اس عدالت کی حقیقت ”روایات میں اجتناب عن الکذب“ ہے کیونکہ ہم نے تمام صحابہ کی سیرت کو خوب ٹٹولا، یہاں تک کہ ان لوگوں کی سیرت کا بھی متبع کیا، جو غائبگیوں، فتنوں اور زانی جھگڑوں میں شریک ہوئے، تو ہم کو معلوم ہوا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دروغ بیانی کو سخت ترین گناہ سمجھتے ہیں اور اس سے شدت کے ساتھ احتراز کرتے ہیں، (ظفر اللامانی)“

۱۔ صفحہ ۶ مطبوعہ مصر، ۲۔ مقدمہ اسوہ صحابہ،

یہ ایک واضح امر ہے کہ مدارج روایت اور فقہ واجتہاد کے اعتبار سے صحابہ کے مختلف طبقات تھے لیکن فیصلہ مناصب کے لحاظ سے خلفاء راشدین، ازواج مطہرات، ہاجرین اولین، انصار، اہل عقبہ اہل بدر و مشاہد وغیرہ ایک دوسرے سے فیصلے میں۔ عزیت و فضیلت اضافی چیزیں ہیں ورنہ اس اختلاف مراتب کے باوجود مومن صالح ہونے میں تمام صحابہ برابر ہیں، اور سب کے سب اہل جنت ہیں۔ "وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَٰئِكَ الْمُقَدَّمُونَ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ"

کتاب و سنت کی اہم شہادتوں اور ائمہ کرام کی تصدیقات کے بعد بھی اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ صحابہ کی عدالت و ثقاہت غیر صحیح، قرآن کے خلاف اور محض عقیدہ تہندی کا فیصلہ ہے، تو حیرت کی انتہا نہیں رہتی کہ خدایا یہ کیا مصیبت ہے؟ اب تک تو یہی رونما تھا کہ محدثین نے جو کچھ الفاظ جرح و تعدیل روایت حدیث کے تعلق وضع او اہتمال کئے وہ محض ظن و تخمین تھے، اور ان کا فیصلہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا، لیکن صحابہ کرام جن کی عظمت و بزرگی، جلالت شان اور تقدس وغیرہ پر تو خود قرآن ناطق ہے، جب ان حضرات رضی اللہ عنہم کے متعلق بھی خدا خراب کر دی جائے تو سمجھنا چاہئے کہ ایسا شخص اہل علم سے بہت دور ہے۔ ورنہ اگر تحقیق مد نظر ہوتی تو سب سے پہلے وہ قرآن کی آیات پر تدبر کرتا۔ وہیں سَمِیعًا هُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ آثَرِ السَّجْدَةِ کی روشنی اس کے لئے شمع راہ ہوتی۔ اور رضی اللہ عنہم و ضوع عنہ کی تعدیل نہ صرف صحابہ کرام کے متعلق ملتی بلکہ تابعین کے بارے میں بھی سند ثقاہت ہوتی۔ "أَوْ خَصِیْرًا أُمَّةً" اور "أُمَّةً وَصَیْطًا" کے اولین مخاطب کا سراغ ملتا۔ "لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَكَلاَّ وَكَلاَّ اللَّهُ الْخَبِیْرُ" کا طغرائے امتیاز میزان عدل و قسط قرار پاتا۔ قرآن مجید کے عموم کے مطابق جو صحابہ تابعین، صالح اور مومن قطعی طور پر ثابت ہیں۔ جو لوگ روایتوں سے صرف تاریخیت کے قائل اور حجت دینی کے منکر ہیں ان کو تو بہر حال صحابہ تابعین کی عدالت و ثقاہت قرآن ہی سے ماننی پڑے گی صحابہ کرام کے غیر ثقف ہونے پر چاہے ہزاروں جرحیں، احادیث و سیرے پیش کی جائیں، مگر ان سے قرآن کے فیصلہ رضی اللہ عنہم و ضوع عنہ وغیرہ آیات پر تو ذرہ برابر اثر نہیں پڑ سکتا۔ وہ گئے وہ لوگ جو روایتوں یعنی سنن و آثار نبوی کو حجت دینی

ماتے ہیں تو وہ نہ تو صحابہ کو مصوم سمجھتے ہیں نہ خدا و لغزش بشری سے پاک۔ ہاں خواہ مخواہ ان کی نیتوں کے متعلق سو فنی رکھنا جس پر نہ قرآن رضی اللہ و رسول کا حکم کسی طرح جائز نہیں رکھتے مشا جرات صحابہ میں ایک بڑی غلطی تھی ورنہ واقعات شاہد ہیں کہ باوجود شدید اجتہادی اختلاف کے ایک دوسرے کا احترام فرماتے تھے حضرت عائشہؓ حضرت عائشہؓ کو ام المؤمنین ام المؤمنین کہتے رہے۔ خود حضرت عائشہؓ جن کی برأت و تطہیر قرآن نے کی اور حضرت جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بمنزلہ ہارونؑ کے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما سکتے تھے کیا قرآن اس ہستی کی برأت کر سکتا تھا جو فتنہ میں ملوث ہونے والی ہو؟ کیا پیغمبر ایسے شخص کو بمنزلہ ہارونؑ کہتا جو باطل کے لئے جنگ جمل کریں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ باوجود ان باتوں کے کوئی ایک صحیح واقعہ موجود نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ یہ حضرات ایک دوسرے کو (معاذ اللہ) برا کہتے یا سمجھتے تھے۔

یہ ہے واقعہ کی اصلی تصویر اور صحابہ کی عدالت کی حقیقی تعبیر کیا یہ بات آج کل کے آزاد اور نام نہاد مسرور کے لئے حیرت انگیز نہیں ہے کہ حضرت موسیٰؑ جو حکم قرآن نبی و رسول ہیں، ان سے ”لَا تَأْخُذْ بِالْحِجَابِ“ اور ”لَا تَقِ الْوُجُوهَ“ اور ”وَإِذَا نَادَىٰ رَبُّكَ فَأَسْمِعْهُ أَصْوَابَهُ“ کا صدور ہو جائے۔ انتہائی غیظ و غضب میں حضرت ہارونؑ کی ڈاٹھی اور سر کے بال پٹریں اور کھینچے لگیں۔ یہی کہا جائے گا کہ ”عائشہؓ ہارونؑ کی اہانت کی نیت سے یہاں نہیں کیا تھا؟ اور حضرت موسیٰؑ اس حالت میں شرعاً معذور تھے۔ فرط غضب اور ہنگامہ دار دیگر میں الواح ہاتھ سے چھوٹ گئیں جسے عدم تحفظ کی وجہ سے غلط الفاء سے تعبیر فرمایا گیا کیونکہ بظاہر ”خُذْهَا يَقُو“ کا متنازل نہ کر کے بگڑ چو کہ ان دونوں معاملات کی سطح جو ہارونؑ یا الواح کے متعلق ظہور میں آئی بہر حال صورت پسند یہ نہ تھی کہ موسیٰؑ باعتبار نیت معذور تھے، اس لئے ”أَنذَرْتُكَ عَذَابِي“ کہہ کر حق تعالیٰ سے عفو کی درخواست کی یا اس کے سوا اور کوئی تاویل ہوگی؟ یہ باتیں ان حضرات کے لئے زیادہ غور کرنے کی ہیں جو محض قرآن کو اڑ بنا کر عصمت انبیاء و عظمت صحابہ کا نام لے کر سنن و آثار نبوی کو مجروح کرنے کے عادی ہیں۔ ایک طرف تو زبانی ادعا ہے قرآن دانی اور دوسری جانب علوم و فنون اسلامیہ بیگانگی، ہجر و فقدان کا یہ عالم کہ اگر کوئی روایت ذرا بھی بظاہر معارض نظر آئی جمع و توفیق کی میسوں

فشکوک کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور فوراً یہ کہنا شروع کر دیا جاتا ہے کہ قرآن کے خلاف ہے عقل کے منافی ہے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت اور صحابہ کرام کی عظمت و فستہ ازواج مطہرات کی عفت و طہارت کا مقام اس سے بلند ہے سننے والا مغموب ہو جاتا ہے اور یارِ این طریقت اپنا کام کر جاتے ہیں۔ حالانکہ سیدھی سی منطقی ہے کہ اگر قول و فعل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے تو وہ قیامت تک بیان بالا کے مخالف نہیں ہو سکتا۔ صحیح عقل و فہم میں کبھی تضاد نہیں رہا ہے۔ یہ حال ہے ان بخاری وقت لوگوں کا۔ یہ حضرات تو پیغمبر اور صحابہ وغیرہ کی عظمت و عصمت کو سمجھیں اور یہیں تو امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ، بخاریؒ، مسلمؒ، علی بن المدینیؒ، یحییٰ بن سعید القطانؒ، ابو حاتم رازیؒ، ابو زرعہؒ، عبد اللہ بن مبارکؒ، یحییٰ بن معینؒ، علامہ ابن حزمؒ، ابن قیمؒ و شاہ ولی اللہ وغیرہ ایک ایسی جماعت ہو جو اسلام کے لئے سخت مضرا و مسلم قاتل ہے۔ اس کے دام تزیور میں اگر بڑے بڑے عباد و زہاد اور مغربہ سعادت آئی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ایسی بے اصول جماعت سے گفتگو ہو بھی تو کیوں کر؟۔

بحث و مناظرہ سے بجائے اس کے کہ حق کو حق سمجھا جائے زیادہ تر معاملہ برعکس ہی ہوتا ہے، ورنہ قرآن کرم تو بار و بلند مدعی ہے کہ اصحاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدسیت و حریت و انجس میں بھی بیان ہوئی ہے ذلالت مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ چنانچہ ملاحظہ ہو :-

”وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہو اور لاکھوں قدوسیوں میں سے آیا،..... اس کے سبب تم

لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں“ (استسنا، باب ۳ صفحہ ۲۰)

کیا مذکورہ پیشین گوئی فتح مکہ کے دن پوری نہیں ہوئی؟ قرآن کو پڑھو تو اس میں اصحاب رسول اللہ کے ایک ایک خدا و خال کو واضح کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَخَشَعُوا أَصْوَارَهُمْ فَآتَوْا عَنْ قَدْرِهِمْ وَاللَّهُ يَبْصُرُ أَعْيُنَهُمْ اُنْزِلَ مَعَهُ الْوَحْيُ اُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ آخر اس سے کون لوگ مراد ہیں؟ کیا اس زبردست شہادت کے بعد بھی کسی کو صحابہ کی عدالت و تقاہت میں شبہ رہتا ہے؟ کون مسلمان ہے جو پنجوقتہ نمازوں میں سورہ فاتحہ پڑھتا ہوگا مگر کیا کبھی اس حقیقت پر بھی غور کیا گیا کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے

کن کے راستے کی طلب مراد ہے اور وہ کون لوگ ہیں جن پر انعام و اکرام باری کی بارش ہوئی اؤ نعم علیہم قرار ہے؟ اس کا جواب قرآن خود دیتا ہے **مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ**۔ کیا صالح ہوئے میں خلفاء راشدین کے علاوہ صحابہ کی جماعت داخل نہیں ہے؟ پھر کیا وجہ ہے کہ ان کی اجتہادی غلطیوں کو نفاق و شقاق، (عماؤ اللہ) عدوان اور سرکشی سے تعبیر کر کے اپنے نامہ اعمال کو خراب کیا جاتا ہے؟ کُلِّ عَجْزٍ مَّصِيبٍ وَالْمَصِيبِ وَاحِدٌ وَالْمَخْطِی مَعْدٌ وَرَبُّی مَلْجُؤٌ کی توجہ ایک منصفانہ اور عالمانہ فیصلہ ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہی حق پسندانہ بات فرمائی ہے کہ تِلْكَ دُمَاء طَهَّلَ اللَّهُ مِنْهَا سِیُوفُنَا فَلَا نَخْضِبُ بِهَا السِّنَاتِ۔ "ملاش حق و صداقت اور غور و فکر کے لئے اتنے اشارات کافی ہیں بشرطیکہ تحقیق مد نظر ہو۔"

سنن و آثار نبوی کے مرکزی مقامات | مذکورہ مباحث کے بعد یہ بتا دینا ضروری ہے کہ حضرت صحابہ رضوان اللہ اور ان کی نشر و اشاعت | تعالیٰ علیہم اجمعین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مختلف مقامات پر اپنے مراکز اور چھاونیاں قائم کر لی تھیں۔ ان میں سے بہت سے لوگ خدا کی راہ میں جہاد وغیرہ کے لئے نکلے۔ لوگ ان کے پاس جمع ہوتے۔ وہ ان کے سامنے خدا کی کتاب اور پیغمبر کی سنت کو ظاہر فرماتے اور کسی چیز کو کبھی نہ چھپاتے۔ مکہ، مدینہ، کوفہ، شام، بصرہ، یمن، جزیرہ، خراسان، مصر میں صحابہ کی جماعت موجود تھی لیکن سیاسی اور مذہبی اعتبار سے اول الذکر ہر سہ مقامات کو خاص اہمیت حاصل تھی۔

صحابہ میں حضرات خلفاء اربعہ اور ابن مسعود ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت، عبدالرحمن بن عوف، عمار بن یاسر، حذیفہ، سلمان، ابوذر، ابو موسیٰ اشعری فقہائے صحابہ کے نام سے موسوم ہیں اور اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں فتویٰ دینے کے مجاز تھے۔ ان کے علاوہ مفتیان صحابہ کی تعداد ۱۲۰ سے متجاوز ہے۔ حضرت ابو ہریرہ، انس بن مالک، جابر بن عبد اللہ، عبد اللہ بن عمر، ابوسعید خدری، عائشہ، علامہ ابن جوزی

لہ ارشاد النحل

صطلاح میں روایت صحابہ ہیں۔

سنن و آثار نبوی سے جو احکامات ثابت ہیں بقول علامہ غزالی صرف حضرت ابو ہریرہؓ دھائی ہزار مروی ہیں۔ اور جنہوں نے سنن ابی داؤد و جامع ترمذی، امام ابن دقیق العید، منتقی الاخبار لابن تیمیہ وغیرہ مطالعہ کیا ہے وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ احکامات اسلامی کی فہرست کس درجہ طویل اور معاشرتی و تمدنی زندگی کو حاوی ہے لیکن بقول علی بن المدینی جس کو ابو بکر خطیب نے روایت کیا ہے میں شخص ایسے ہیں جن پر احکامات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم انتہی ہوتا ہے، وہ درج ذیل ہیں:-

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلبؓ آپ ہجرت کے دو سال پہلے پیدا ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے دعائی کہ خدا ان کو دین میں فقیہ بنا اور ان کو تاویل کتاب الہی سکھائے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ ابن عباس قرآن کے کس قدر اچھے ترجمان ہیں۔ اگر ان کو ہمارا سن و سال ملتا تو ہم میں کوئی ان کا ہمسر نہ ہوتا۔ عمر کا قول ہے کہ ابن عباس کا عام علم تین بزرگوں سے ماخوذ ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابی بن کعبؓ۔ شوق کا یہ عالم تھا کہ خود حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ میں جب یہ سنتا تھا کہ ایک آدمی کے پاس حدیث ہے تو اس کے ہاں جاتا تھا اور اس کے انتظار میں بیٹھ جاتا تھا یہاں تک کہ جب وہ نکلتا تو میں اسے پوچھ لیتا۔ "تفسیر و فقہ میں اہل مکہ کے علم کا دار و مدار حضرت ابن عباس ہی پر ہے۔ اپنے ۳۸ سال میں مقام طائف و فات پائی۔ آپ کے ممتاز تلامذہ میں سید بن جبیر، عطاء بن ابی رباح، عکرمہ، مجاہد، جابر، نوید، طاؤس وغیرہ ہیں۔ ان تمام کے علم کا سلسلہ عمر بن دینار پرستی ہو کر روئے زمین پر چھا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے فتاویٰ کو مامون عباسی کے پوتے نے جمع کرایا تو ۲۰ کتابیں ہوئیں۔

(۲) حضرت زید بن ثابتؓ کا تبار لوچی۔ آپ کے والد کا نام ضحاک تھا اور انصار کے قبیلہ بنو نجار سے تعلق رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ آئے تو آپ کی عمر ۱۱ سال کی تھی۔ سب سے پہلے آپ نے غزوہ خندق میں شرکت کی۔

۱۔ تلیق فہوم الاثر ۲۔ فضول الخواشی ۳۔ تاریخ فقہ اسلامی ۴۔ المدخل لابن جریر

تبوک کی جنگ میں بنو مالک بن النجار کا جھنڈا حضرت عمارہ بن خرم کے ہاتھ میں تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لے کر حضرت زید بن ثابت کے حوالہ کر دیا۔ عمارہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میرے تعلق آپ کو کوئی بات معلوم ہوئی ہے؟ فرمایا نہیں لیکن قرآن مقدم ہے اور زید نے تم سے زیادہ قرآن پڑھا ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کاتب کی خدمت انجام دیتے تھے جنھوں نے کاتبی زبان میں سب سے پہلے خطوط آتے تھے۔ اس لئے حضرت زید بن ثابت نے آپ کے ارشاد سے سریانی زبان سیکھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بھی کاتب رہے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو تین بار مدینہ میں اپنا جانشین بنایا۔ حضرت عثمانؓ بھی جب حج کو جاتے تھے تو آپ کو اپنا جانشین کر جاتے تھے۔ آپ صحابہ میں سب سے زیادہ فرائض کے عالم تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زید تم میں سب سے زیادہ علم فرائض کو جانتے تھے۔ آپ صحابہ میں بہت بڑے عالم اور سخین فی العلم میں تھے۔

آپ جمع و ترتیب قرآن کے رکن عظیم ہیں۔ آپ کا عمل یہ تھا کہ صرف اپنی یاد اور اپنے لکھے ہوئے انبار ہی پر قناعت نہیں فرماتے تھے بلکہ اور حفاظ کی یاد اور دوسرے کاتبوں کے صحیفوں اور ان اجزاء سے بھی اپنے ذہنی جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں لکھے ہوئے موجود تھے۔ اپنے مہاجرین اور انصار کے اتفاق سے اس مجموعہ کو مکمل کیا اور حضرت شیخینؓ کے ذریعہ خدا نے اپنی اس ضمانت اِنَّا نَحْيُكَ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ اِلَيْكَ کو پورا فرمایا۔ حضرت عثمانؓ نے جب اپنے زمانہ میں اس کام کے لئے لوگوں کو متعین فرمایا تو حضرت زید بھی یقینیت رکن عظیم شریک تھے بہت سے صحابہ و تابعین نے آپ کے روایت حدیث کی مثلاً انھما ابیہما مدینہ منورہ، قبیصہ بن ذویب، ابوسلمہ بن عبدالرحمن، سالم بن عبداللہ، ابان بن عثمان وغیرہ۔ ان تمام لوگوں کا علم تین حضرات پر منتہی ہوتا ہے، ابن شہاب، ابیہریرہؓ، ابیہریرہؓ اور ابوالزنادیؓ۔ چنانچہ ان تمام کا علم حضرت امام مالکؒ تک پہنچ کر دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل پڑا ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مدنی۔ بنو زہرہ کے حلیف اور قدیم الاسلام ہیں۔ آپ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے آپ کو چھ مسلمانوں میں کا چھٹا مسلمان پایا۔ اس وقت سطح زمین پر ہم لوگوں کے سوا کوئی اور مسلمان تھا۔

عمر بن شریک وغیرہ نے علوم حاصل کئے اور ان حضرات سے ابراہیم نخعی اور شعبی نے اور ان سے امام ابو حنیفہؒ اور عیسیٰ بن عروش نے اور ان سے حضرت سفیان ثوری وغیرہ نے۔ علمائے کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علیؓ تلامذہ کی فہرست بہت ہی طویل ہے (تفصیل کے لئے معرفۃ علوم الحدیث) للحاکم وغیرہ ملاحظہ ہو) ان سے صد ہا بلکہ ہزار با مخلوق الہی نے سنن و آثار نبویؐ کی تعلیم حاصل کی اور اسی علم کے ذریعہ سے معاملات مذہبی و سیاسی کو انجام دیا اور پھر یہ علوم دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے۔ (باقی)

ترجمان القرآن کے سابق پرچے

ترجمان القرآن کے مندرجہ ذیل سابق پرچوں کی دفترِ مذاکرہ ضرورت ہے۔ جو حضرات ان پرچوں کو قیامتاً فراموش کرنا چاہتے ہوں۔ یا جنگلِ پاس یہ پرچے زائد موجود ہوں وہ براہ کرم ان پرچوں کو بذریعہ ڈاک ہمارے پاس روانہ کر دیں۔ اور لفافہ پر اپنا مکمل پتہ تحریر فرماویں تاکہ ہم اپنی پرچہ کے حساب سے ان کو قیمت روانہ کی جاسکے۔
رسائل و اخبارات کے ایڈیٹر صاحبان سے بھی گزارش ہے کہ اگر وہ مکمل فائل نہ رکھنا چاہتے ہوں۔ اور ان کے پاس یہ پرچے ہوں تو وہ بھی ان پرچوں کو سمجھ کر قیمت وصول کر لیں۔

سال ۱۳۵۲ھ	جلد ۲	عدد ۱	ماہ محرم	سال ۱۳۵۲ھ	جلد ۱	عدد ۳	ماہ ربیع الاول
"	جلد ۳	عدد ۲	ماہ شعبان	"	"	عدد ۴	ماہ ربیع الثانی
"	جلد ۳	عدد ۳	ماہ رمضان	"	جلد ۱۱	عدد ۲	ماہ شعبان
سال ۱۳۵۳ھ	جلد ۶	عدد ۱	ماہ محرم	"	"	عدد ۳	ماہ رمضان
"	"	عدد ۲	ماہ صفر	سال ۱۳۵۳ھ	جلد ۱۲	عدد ۵	ماہ جمادی الاول
"	"	عدد ۳	ماہ ربیع الاول	"	"	عدد ۶	ماہ جمادی الاخریٰ
"	"	عدد ۴	ماہ ربیع الثانی	"	جلد ۱۳	"	ماہ رجب
سال ۱۳۵۴ھ	جلد ۱	عدد ۲	ماہ صفر	منیجہ			

ظاہر ہے کہ جب وطن کی محبت جزو ایمان ہے تو وطن کی راہ میں لڑے اور مرنے (غیر دینی جہاد کے) اور سر میں سودا شہادت رکھے (غیر ایمان کی تکمیل کیوں کر ہو سکتی ہے۔ اور کسی مسلمان کے خلوص ایمان کے ثبوت میں اس کی وطن پرستی سے بڑھ کر اور کون سی دلیل ہو سکتی ہے؟

لیکن کیا حب وطن کے متعلق اسلامی نقطہ نظر یہی ہے؟ سطور ذیل میں ہم اسی سوال پر غور کرنا چاہتے ہیں، اور قطع نظر اس سے کہ فقہان قوم کیا کہتے ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ خدا اور اس کا رسول کیا کہتا ہے۔

حب وطن کا وجود ایک بدیہی اور مسلمہ حقیقت ہے، ایسی بدیہی اور مسلمہ کہ اس پر کس عقلی یا نقلی دلیل پیش کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ہر انسان کی طبیعت بجائے خود اس پر گواہ ہے۔ اسے جتنا لگاؤ کا فرق کی فطرت سے ہے اتنا ہی ایک مومن کی فطرت سے بھی ہے۔ اس کے وجود سے بڑے سے بڑے صاحب ایمان کا دل و دماغ خالی نہیں ہو سکتا۔ اس نے تو اپنے وجود کا اعلان اس قلب اور زبان سے کر لیا جسے بہطوحی اور لسانِ محی کہا جاتا ہے۔ مکہ سے نکلتے وقت ایک طرف چشم مبارک سے غم و حسرت کے آنسو بہ رہے تھے، دوسری طرف زبان بے اختیار کہہ رہی تھی کہ ”اے مکہ تو مجھے ساری دنیا سے زیادہ عزیز ہے، پر کیا کروں تیرے ہی فرزند تیری آغوش سے مجھے محروم کر رہے ہیں۔“ اور پھر بلال رضی اللہ عنہ کے وہ نعمات درود تو آج تک ضرب المثل ہیں جو ان کی مضطرب روح کی گہرائیوں سے یاد وطن میں نکل نکل کر مدینہ کی پہاڑیوں میں گونجا کرتے تھے۔ غرض ایمان یا عدم ایمان کوئی شے بھی اس جذبہ بشری پر اثر انداز نہیں ہو سکتی، بعینہ اسی طرح جس طرح ماں کی، باپ کی، بیٹی کی، بیوی کی، بھائی کی، بہن کی، احباب اور اقارب کی، کسی کی بھی محبت پر ان اعتقاد کی نزاعات کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ یہ تو سب کے سب فطری جذبہ بشری جذبات ہیں جو بلا لحاظ کفر و ایمان بنی نوع انسان کی سرشت میں صنائعِ ازل سے اس وقت سے دو بعیت رکھے ہیں جب خود انسان کو ان کے وجود کا احساس بھی نہ تھا۔ چنانچہ قرآن حکیم خود اس حقیقت کو تسلیم کر کے فطرتِ انسانی کی ساخت کے متعلق فرماتا ہے :-

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ ۚ بَنِي نَوْعٍ ۚ إِنَّ نَوْعًا مَرغوبات دنیوی یعنی بیویوں،

النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرَ الْمُقَنْطَرَةَ مِنْ
الدَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلَ الْمُسَوَّمَةَ
وَالْأَنْعَامَ وَالْخُرُوفَ (آل عمران رکوع ۲) ہوتی ہے۔

وطن کی محبت بھی اس "حُبِّ الشَّهَوَاتِ" کے دائرہ سے خارج نہیں۔ حُبِّ شہوات سے مراد ہے مادیات کی محبت۔ وطن کی محبت بھی دیگر تعلقات دنیوی کی طرح ایک مادی اور دنیوی تعلق کا نام ہے۔ بلکہ اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو انہیں تمام اشیاء کی محبت ہی حب الوطن کی محرک اور علت بلکہ عین حب وطن ہے۔ انسان جس ماحول اور سوسائٹی میں، جن احباب و متعلقین کے درمیان اور جن لوازم زندگی کے ساتھ رہتا سہتا ہے، اس سے ایک خاص انس پیدا ہو جاتا ہے، اسی انس کا دوسرا نام حُب وطن ہے۔ اس انس کے وجود کو قرآن تمام نوع انسانی یعنی "النَّاسِ" کی جبلت میں مرکوز بتاتا ہے۔ "النَّاسِ" کے فرد جس طرح ابوبہل اور ابوبہل ہیں اسی طرح صدیق اکبر اور فاروق اعظم بھی۔ کسی کی خلقت "ذَبْنٍ لِلنَّاسِ" کے حکم عام سے باہر نہیں ہے۔ پھر ان عام جذبات انسانی کو کفر و ایمان کے جھگڑوں سے کیا تعلق ہے۔

مادی تعلقات کے ترقی و تہلک کا نظریہ | سب سے پہلے مناسبت معلوم ہوتا ہے کہ حب وطن کے مخصوص تعلق کے بجائے عام تعلقات دنیویہ کے ہیں۔ ہم اسلام کا نقطہ نظر سمجھ لیں۔ کیونکہ زیر بحث مسئلہ بھی اسی ضمن میں خود بخود ہوتا ہے اور یوں بھی قرآن جب کبھی ان دونوں تعلقات اور مادیات سے متعلق جذبات انسانی کے بارے میں کچھ فرماتا ہے تو زیادہ تر ان کی مجموعی حیثیت کو ہی سامنے رکھ کر فرماتا ہے کسی تعلق کی جداگانہ حیثیت اس کے دائرہ بحث میں بہت کم آتی ہے۔

یقیناً جہاں تک ان جذبات کے نفس وجود کا تعلق ہے، وہ دیر دردم کے جھگڑوں سے بے نیاز ہیں۔ وہ اپنا یہ حق ہر شیخ و برکن سے حاصل کئے ہوئے ہیں۔ محل نزاع یہ نہیں ہے کہ یہ جذبات آدمی میں ہونے چاہئیں یا نہیں، بلکہ یہ ہے کہ ان جذبات کی جائز حد کیا ہے، اور انسان کے نفس پر ان کے حقوق کتنے ہیں۔

بنیائی ہو تو اپنی کمزوریوں کے مقابلہ میں ان کی بے پناہی اور آفاق گیر ی کو دیکھ کر چیخ اٹھے۔ وہ عزلات کیا ہیں یہی مرغوباتِ نفس جن کی طرف آیتِ بالا میں اشارہ کیا گیا ہے، اور جن کا ایک جامع نام کتاب اللہ متنازعِ حیاتِ دنیا رکھا ہے یہی متنازعِ دنیا انسانِ ظہول کے لیے منزلہ اقامہ ہے۔ یہ نہ ہوتی تو یہ عالم غصہ ہی دارِ بقا بھی نہ بنتا۔ اسی لیے انسان کو بار بار چوکنا رہنے کی تاکید کرتا ہے۔

فَلَا تَعْرَضْكُمْ لِلْحَيَوةِ الدُّنْيَا فَكَأَنَّمَا لَكُمْ فِيهَا آلِهَةٌ مُّذُنُونَ (نعمان - ۴)

بہن تمہیں یہ نبوی زندگی اہل تصدد اور انجامِ اکی طرف سے دکھو میں نہ ڈال دو اور نہ خدا پر میں فریکہ فیضانِ تمہیں دکھو بخدا

اور بھر یہی وہ خطرناک پہلو ان زخارفِ اضنی کا ہے جس کی وجہ سے انھیں قرآن میں جگہ جگہ ”فتنہ“ کہا گیا ہے، اِنَّكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (تغابن - ۲) وَاَعْلَمُوا اَنَّكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ

(انفال - ۳) ”فتنہ“ قرآنی اصطلاح میں ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جن میں خیر و شر دونوں پہلو موجود ہوتے ہیں۔ اگر انسان ان کے حدود پہچان کر ان کا صحیح استعمال اور استفادہ کرے تو وہ اس کے لیے سراپا خیر ثابت ہوتی ہیں لیکن اگر اس نے اس امتیاز اور استعمال میں غلطی کی تو یہی چیزیں اس کے حق میں شر بن جاتی ہیں، اور انسان اپنی آدائش میں ناکام ہو کر معتبوبِ الہی قرار پاتا ہے۔ اور دنیا کی یہ ساری نعمتیں اس کے لیے دشمن ثابت ہوتی ہیں اسی نقطہ نظر سے انھیں انسان کا عدو بھی کہا گیا ہے اِنَّكُمْ اَلَّذِينَ بَيْنَ يَدَيْكُمْ اَلَّذِينَ بَيْنَ اَمْوَالِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ فِتْنَةٌ (تغابن - ۲) یعنی اسے ایمان والو تمہاری بیویوں اور بچوں ہی میں سے تمہارے دشمن ہیں پس ان کی محبت کے فتنوں سے بچتے رہو۔ کیونکہ انسان کے راہِ قسط و عدل سے ہٹنے کا سب سے بڑا واحد سبب یہی عشقِ مال اور حبِ عیال ہی ہے جو انسان کو ادائے فرض سے روکتا ہے۔

یہیں سے علماً کا فساد و زمین کا امتیاز شروع ہوتا ہے۔ کافر و مشرک اور ملحد انھیں چیزوں میں اپنے کو گم کر دیتے ہیں۔ یہ دنیا اور اس کے علائق ان کی روح کو، ان کے قلب کو، ان کے دماغ کو اپنی اسیری میں اس طرح لے لیتے ہیں کہ وہ انھیں کو جیلِ زندگی اور منہائے حیات سمجھنے لگتے ہیں، یعنی شقاوت کے اس درجہ کمال

پر پہنچ جاتے ہیں جسے قرآن بَلْ نُؤْتِرُوكَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا سے تعبیر کرتا ہے۔ اور ان کے برعکس مومن اس متاعِ ارضی کو اپنے دل و دماغ کا مبدود نہیں بناتا۔ وہ ان سے ایک فطری رغبت تو ضرور رکھتا ہے مگر یہ رغبت اس کو اصل مقصد حیات سے بے گانہ نہیں کر سکتی۔ جہاں متاعِ دنیا نے مبدویت کا مطالبہ کیا اور مومن کے لیے وہ عدوئے حکم میں ہو گئی۔ پھر مومن کا فرض ہو جاتا ہے کہ اپنے ہاتھ سے اس ”عدوئے حلق“ پر چھری بھیر دے، خواہ یہ چھری اس رغبت کے ساتھ ساتھ خود اس کے دل کے ٹکڑے ہی کیوں نہ کر ڈالے۔ بیٹے سے بڑھ کر اس آسمان کے نیچے اور کون سی چیز محبوب بنائی گئی ہے؛ لیکن جب اسی محبوب ترین متاع کو طوفان کی مچھلیں نکلنے کے لیے لے سکتی ہیں اور وقت کا سب سے بڑا خدا پرست انسان! باوجود پیغمبرانہ عظمت کے پدرانہ محبت سے مغلوب ہو کر بیتا بنا نہ کبھی بیٹے کو پکارا ہے کہ يَا بُنَيَّ اَرْكَبْ مَعَنَا اور کبھی آسمان کی طرف مترحم نگاہیں اٹھا کر کہتا ہے کہ يٰ اَدْرِيْ اَنْ اُبْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ تَوْعَلُّوْهُمُ ہے کہ خدا کی بے نیاز عدالت سے اس درخواست کا کیا جواب ملتا ہے؟ عقیدت اور امتا کی اس فطری تمکش پر پیغمبر کو کن لفظوں میں تنبیہ ہوتی ہے؟ صد اُتی ہے کہ يٰ اَنۡتَ اَنْتَ اَكْبَرُ اَللّٰہِ اَكْبَرُ اِنَّہٗ عَلٰی غَیْرِ صَالِحٍ فَلَا تَسْتَعْلِنَ مَا لَیْسَ لَكَ بِہٖ عِلْمٌ اِنِّیْ اَعْظَمُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجَاہِلِیْنَ (ہود۔ ۴۸) اے نوح! بیٹے کے ساتھ تمھاری شیفٹنگی مسلم گمراہ حق و باطل کے امتیاز کا وقت ہے، اس وقت تمھارے بشری جذبات کا اقتضائے کوئی چیز نہیں۔ خبردار جذبات کے طوفان میں تمھارے پائے ثبات و استقامت کو لغزش نہ ہونے پائے اِنِّیْ اَعْظَمُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجَاہِلِیْنَ۔ حق کی راہ میں جو محبت حاصل ہو اس کو دل میں رکھنا جاہلوں کا کام ہے، ایمان کی تہاگاہ میں ناکام ہونے والوں کی راہ ہے۔ اس وقت بیٹے کی محبت ایک خطرناک فتنہ کی شکل میں تمھارے سامنے آئی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کو اپنے پیروں سے کچل کر رکھ دو۔ حق پرستی کا دشمن ہو کر تمھارا بیٹا، تمھارا بھتیجہ ہونے کے باوجود، تمھاری کسی محبت اور سفارش کا مستحق نہیں، حتیٰ کہ وہ اب تمھارا بیٹا بھی نہیں کہا جاسکتا، لہذا تم اپنے اس جگر کے ٹکڑے کو نہنگ اہل کے منہ میں جانے دو۔

اسوہ ابراہیمی کو لیجیے۔ باپ بڑھ کر مخلصانہ ہمدردی اور عظیم کامتھی کون ہے؟ لیکن جب قہر پرست بیٹے کو یقین ہو جاتا ہے کہ باپ کی ریاہ فطرت پر شعاع حق کا انعکاس ناممکن ہے تو وہ نہ صرف اس سے ترک موالات کرتا ہے بلکہ اس کے لیے ہدایت اور مغفرت کی تمنا بھی اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے، اور بڑا بیٹے جیسا گہرا فطری (لیکن مادی) تعلق ایک منٹ کے لیے بھی اس کے ارادہ میں تزلزل نہیں پیدا کرتا۔ اور قریب آئیے، اسوہ فاروقی پر نگاہ ڈالیے کہ اس سراپائے ایمان کی سیرت بجائے خود حقیقت اسلام کی ایک مکمل اور خالص تصویر ہے۔ بدر کے میدان سے اسیران جنگ گرفتار ہو کر آتے ہیں۔ دربار نبوت میں معاملہ پیش ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے۔ سب سے پہلے سیدنا عمرؓ کی آواز آتی ہے کہ یا رسول اللہ میں جانتا ہوں کہ ہمارے سامنے یہ سب ہمارے اپنے ہی دست و بازو بلکہ دل و جگر پانچویں کھڑے ہیں لیکن میں یہ سب کے سب حق کے دشمن اور توحید سے برگشتہ۔ لہذا حکم دیجیے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے قریبی عزیز کی گردن مارے۔ کیونکہ ہمارے ان کے لاکھ نبی اور وطنی تعلقات ہیں، مگر ایمان کے دشمن کسی صلہ رحمی، اور ان کی محبت کسی رعایت کی مستحق نہیں۔ اس مشورہ پر خواہ عمل نہ ہوا ہو لیکن اس معاملہ کے متعلق حاکم اعلیٰ کا جو فیصلہ آیا، اس کی روشنی میں کون ہے جو اس مشورہ کی ایمان نوازی اور صحت و عظمت کا منکر ہو سکے۔

اسلام اور ایمان کے ضابطہ میں مادی تعلقات اور بشری جذبات کی قدر اور رعایت جو کچھ ہے بس اتنی ہے۔ اس کے آگے اسلام کی سرحد ختم اور کفر کی مملکت اور اس کا آئین شروع ہو جاتا ہے جہاں یہی دنیا اور اسی دنیا کی لگاؤ ہیں ہی سب کچھ ہیں۔ ان حدود میں رہنے والے خدا کے پیدا کیے ہوئے ان تمام فتنوں کے سامنے سر جھکائے ان کی پریش میں دن رات مشغول رہتے ہیں اور دیدہ عبرت رکھنے والوں کو دکھاتے رہتے ہیں کہ دنیا کے تعلقات اپنی جائز حد سے گزرنے کے بعد کس طرح انسان کے دشمن بن جاتے ہیں اور ان میں ازواجکم و اولادکم وعدکم

کی شکل کیا ہوتی ہے۔

خدا کی سنت یہی ہے کہ وہ انھیں فتنوں کے ذریعہ اپنے فرمانبردار بندوں اور سرکش و نافرمان باغیوں کو الگ کیا کرتا ہے، اور کسی فریاد جماعت کو اس وقت تک اپنی مقبولیت کا شرف نہیں بخشا جب تک کہ وہ فتنوں کی اس بھٹی میں تباہ کرنا چاہے نہ یے جائیں، اور آزمائشوں سے یہ بات کھل نہ جائے کہ کھرا کون ہے جو اپنے اصلی مقصد آخرت میں کو یاد رکھتا اور دنیا کے سارے علاقوں پر اسے ترجیح دیتا ہے، اور کھوٹا کون ہے جو دنیا کے عشق میں سرشار ہو کر اپنے منہا سے غافل ہو بیٹھا ہے۔ اسی بات کو یوں فرمایا گیا ہے کہ:-

أَحِبَّ النَّاسَ أَنْ يَبْذُوكَ فِي الْوُحْشِ كَمَا يُبْذُونَ كَلْبًا مُرَّانًا لَّئِنْ لَمْ يَرْحَمِ اللَّهُ يَرْحِمَ الْبَرَّانَ ۚ
أَمَّا وَهُمْ لَا يُفَنِّصُونَ (عنکبوت: ۱)

پھوڑ دیے جائیں اور ان کی آزمائش نہ ہوگی؟

یعنی ”فتنہ“ اور آزمائش کی راہ سے بہر حال گزرنا ہوگا تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون مال و اولاد، اعزاز و اقتدار اور گھر بار کے رشتوں کو اپنی فطری حد میں رکھ کر اللہ کے تعلق کو سب پر بالا و برتر رکھتا ہے، اور کون ایسے فریب کار ہیں جو نام تو توحید کا لیتے ہیں لیکن ان کے قلوب انھیں دنیوی رشتوں کی مضبوط گرفت میں جکڑے ہوئے ہیں، اور ضرورت کے وقت اس گرفت سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:-

وَلَكِن لَّوْكَفَّرْ بِتِلْكَ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقَصَ مِنَ الْأَمْوَالِ وَلَا أَنْفُسَ الشَّمَائِلِ وَ
بَشِيرِ الصَّابِرِينَ (بقرة: ۱۹)

اس آیت اور پہلی آیت (مُزَيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ) دونوں کو ایک دوسری کی روشنی میں دیکھیے تو صاف نظر آتا ہے کہ جن چیزوں کی محبت انسانی سرشت میں رکھی گئی ہے انہی میں انسان کی اخلاقی طاقت کے لیے آزمائش بھی رکھ دی گئی ہے اور یہی آزمائش وہ فیصلہ کن چیز ہے جس سے خدا پرست اور دنیا پرست تمیز ہوتا ہے۔ سارے مادی علاقوں دنیوی رشتے، اور بشری جاذبے اسی امتحان کے لیے پیدا کیے گئے ہیں کہ انسانوں میں سے کون اتنا بودا اور کمزور ہے کہ ان کا

بندہ اور پرستار بن کر خدا کی محبت کو ان کی محبت پر سے قربان کر دیتا ہے، اور اس میں اتنی طاقت ہے کہ ان سب چیزوں کو اپنے لیے اور اپنے آپ کو خدا کے لیے سمجھے اور آزمائش کے وقت ہر ایک چیز کو خدا کی خوشنودی کے لیے قربان کر سکے۔ اسی لیے مومن کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اس کی جان اور مال یعنی اس کی پوری دنیا خدا کے ہاتھوں کی ہوئی ہے اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِآتٍ لَهُمْ الْجَنَّةُ (توبہ۔ ۱۱۸) اور اگر کوئی مدعی ایمان اس ذوق تسلیم و رضا سے آشنا نہیں تو وہ نیکی اور تقویٰ کا مقام رفیع ہرگز نہیں پاسکتا لَنْ تَنَالُوا الْاَيْدِي حَتّٰی تَنْفِقُوْا مِنْهَا مِمَّا مَحَبَّتُكُمْ (آل عمران۔ ۱۰۰) گویا اسلام نام ہی ہے قربانی کا یعنی جان اور مال کی قربانی کا، مرغوبانے نفس اور لذات زندگی کی قربانی کا، مودتِ قریٰ اور حبِ وطن کی قربانی کا اور ان تمام دنیاوی تعلقات اور مادی رغائب کی قربانی کا جن کی کشش اور محبت خالق کائنات کی طرف سے انسانی سرشت میں نمودی گئی ہے۔ وہی کشش اور محبت جس کے وجود کا اعتراف آیت ذِیْنِ لِلنَّاسِ اَحْسٰی میں کیا گیا ہے۔

اب ان ساری تفصیلات کے بعد سوال پیدا ہو گا کہ آخر یہ تمام چیزیں، جن کی قربانی کا نام ہی قرآن کی اصطلاح میں اسلام ہے، کس چیز پر قربان کی جانی چاہئیں؟ بالفاظِ دیگر انسان کا وہ منہا لے حیات "اور اصل مقصد زندگی" کیا ہے جس کے مقابل دنیا کی بڑی سے بڑی متاعِ محبوب ناقابلِ انفعالات اور فراموش ہو جانی چاہیے؟ اس کا جواب قرآن یہ دیتا ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ
وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ
وَاَمْوَالٌ اِذَا فُتِقَتْ مَوَاطِنُهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ
كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَضَوَّرُهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ
مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهِ
لے پیغمبر! ان لوگوں کہہ دو کہ اگر تمہارا باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں
اور تمہارا خاندان اور تمہارا گھرانہ اور مال، اور تمہاری تجارت
جس کے منہا پڑ جانے کا تمہیں ٹل اندیشہ رہتا ہے، اور تمہارا دل پسند
مکانات، یہ ساری متاعِ دنیاوی تمہارے نزدیک آتا اور اس کے
رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں

فَتَرْتَبِّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۖ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (توبہ- ۳)

تو انتظار کرو یہاں تک کہ خدا اپنا حکم اور فیصلہ صادر کرے اور اللہ

فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

غور فرمائیے، پھر انھیں متاع ہائے ارضی کا ذکر ہے جنہیں گذشتہ آیات میں انسان کی مرغوب خاطر ظاہر کیا گیا تھا۔ یہاں بھی ان اشیاء سے انسان کی فطری دل بستی کا نہ انکار کیا گیا ہے اور نہ اسے مذموم اور مخالفتِ ایمان قرار دیا گیا ہے، بلکہ اشارہ اس کا وجود بطور حقیقتِ مسلمہ کے تسلیم کر لیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ مطالبہ یہ کیا گیا ہے کہ کثرت اور طلب اور سعی کا اصلی منہا صرف ذاتِ خداوندی ہے۔ جب تک دنیا کی رغبتیں خدا کے اس حق پر اثر انداز نہیں ہوتیں، انسان ان سے تعلق رکھنے میں حق بجانب ہے، اس پر کوئی گرفت اور الزام نہیں لیکن جیت مال و دولت، یہ فرزند و زن، یہ خویش و اقارب، یہ نسل و خاندان، یہ دیار و وطن اور یہ سب سامانِ زندگی انسان کے لیے نفسِ روح اور زنجیرِ پابن جائیں اور محبوبِ حقیقی کی طلب و دعوت پر اسے حاضر نہ ہونے دیں تو ان سب چیزوں کی محبت حرام ہو جاتی ہے اور یہ حرام محبت کفر کا سرختم ہے جس طرح خدا کی طلبت اس محبت کو قربان کر دینا اسلام کا سرختم ہے۔

خدا کی محبت اور عشق ایک باطنی کیفیت کا نام ہے اور اس کی خارجی تفسیر یا اس کا منظر عبادت ہے، یعنی دائماً خدا کی خوشنودی کے مطابق عمل کرنا۔ اصل شے کو آپ ایمان سے اور اس کے مظہر کو اسلام سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہی ایمان، انسانی ضابطہٴ حیات کی تشکیل میں اساس کی حیثیت رکھتا ہے اور اس اساس پر جو عمارت کھڑی ہوتی ہے، اسی کا نام اسلام ہے۔ گذشتہ آیات میں جس چیز کے لیے دنیا اور اس کے تعلقات کی قربانی کا ذکر ہے وہ یہی "اساس" اور یہی "عمارت" ہے۔ قرآن دنیا کی محبوبتِ محبوب چیز کو بھی یہ حق نہیں دیتا کہ وہ اس عمارت کی صحیح تعمیر میں خلل انداز ہو اور اس کی وجہ سے اس میں رخنہ پڑیں۔ وہ اسے تو تسلیم کرتا ہے کہ دنیا اور اس کی ساری متاع سے انسان تعلق رکھے اور اس سے پوری طرح لطف اندوز ہو، اور تسلیم کیا منی وہ تو اس پر زور دیتا ہے مگر ساتھ ہی اس کا یہ بھی مطالبہ ہے

کہ جب کبھی ایمان اور اسلام کے مصالح سے اس دنیا کے کسی بڑے سے بڑے تعلق کے مصالح متصادم ہوں تو انسان کو اس کے لیے تیار رہنا چاہیے کہ ایسے تعلق کو نہایت صبر و سکون کے ساتھ توڑ دے خواہ وہ موجودہ تہذیب کا ”صنیم اکبر“ ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ یہ دنیا انسان کے بستے کے لیے بنائی گئی ہے نہ کہ پوچھنے کے لیے۔ خدام بنائی گئی ہے نہ کہ آقا۔ تابع اور مسخر بنائی گئی ہے نہ کہ الہ اور معبود۔ اللہ دنیا خلقت لکھ کر و انت تم خلقتکم للآخرۃ۔

مادی تعلقات اور بشری جذبات کے متعلق قرآن کا اجمالی طور پر یہی اصولی نظریہ ہے۔ آئندہ ہم اسی اصل کی روشنی میں مخصوص طور پر وطنیت کے متعلق اسلام کے نقطہ نظر کی وضاحت کریں گے۔

(باقی)

مسلمانوں کی مذہبی مرکز دیوبند کا تاریخی نام

نوٹ کا پرچہ ہفت ”خالہ“ قیمت فی پرچہ (۲۰)

جو اکابر علماء ہند بالخصوص حضرت مولانا الحاج محمد امجد علی صاحب دیوبند کی زیر قیادت نہایت آہستہ آہستہ ہر مہینہ شائع ہوتا ہے جس میں بزرگان و علماء امت کے علمی، مذہبی، اخلاقی، سہل و آسان تاریخی مقالات نظم و شعر میں نظرین ہوتے ہیں۔ اپنے بلند پایہ مقالات کے لحاظ سے ہندوستان بھر میں یہ ایک سالہ جوائی دو ہر ایک فرسٹ کلاس میں مسلمانوں کی متاع ایمانی کی حفاظت کرتا ہی اکابر علماء ہند کے نامور و فہم علماء و معارف اس سالہ کی اوراق زینت ہوتے ہیں، رسالہ ”خالہ“ کا مطالعہ مسلمانوں کے ہر طبقہ کیلئے رشد و ہدایت کا ذریعہ اور دینی، دنیوی فلاح و بہبود کا ضامن ہے۔ قیمت سالانہ مع محصولات دو روپے اور ڈیڑھ روپے۔ معافین خاصے۔ عام خریداروں کے لیے طلباء سے حد۔

جملہ اسلٹ و بریل زر کا پتہ:- (مولوی) سید احمد مدبر رسالہ ”خالہ“ دیوبند (یو پی)

تترنزل متاویل

امثال لہستان

(۲)

از جناب مولوی محمد ایوب صاحب جیرا پوری

۶) کفار کے اعمال کا، اور ان امیدوں کا جو انھوں نے اپنے اعمال کے نتیجہ سے وابستہ کر رکھی ہیں، کیا حشر ہو گا؟ قرآن ایک تشیل کے پیرایہ میں اس کی توضیح یوں کرتا ہے:-

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ
بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمَانُ مَاءً حَسْبًا إِذَا
جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ
عِنْدَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ وَاللَّهُ مُسْرِعٌ
الْحِسَابِ أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُجِّيٍّ
يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّنْ
فَوْقِهِ ظُلُمَاتٌ لِّبَعْضِهَا نُورٌ
بَعْضٌ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكِدْ يَبْهَا
وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ
مِنْ نُّورٍ (نور-۵)

اور کافروں کے اعمال کی حقیقت چٹیل میدان کی آغ چمکتی
ہوئی ریت کی سی ہے جسے پیار آدمی دیکھ کر پانی خیال کرتا
یہاں تک کہ جب اس کے قریب آتا تو کچھ نہ پایا۔ البتہ اس
اللہ کو وہاں موجود پایا جس نے اس کا حساب چکا دیا اور
اللہ جل بھر میں حساب لےنے والا ہے۔ یا ان کے اعمال کی
مثال ان تہ تہ تاریکیوں کی سی ہے جو ایک ایسے اٹھانہ
میں ہیں جسے موج نے ڈھانک لیا ہو، پھر اس موج کے اوپر
بھی موج ہو اور اس اوپر بھی بادل چھایا ہو۔ غرض ایک ایک
ایک کئی تاریکیاں جمع ہیں کہ اگر کوئی آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو
اسے بھی نہ دیکھ پائے۔ اور جسے اللہ ہی روشنی رہایت نہ دے

اسے کہیں سے بھی روشنی نہیں مل سکتی۔

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں دو مثلیں بیان فرمائی ہیں، ایک دوسرے چمکتی ہوئی ریت کی۔ دوسری تہ بہ تہ تاریکیوں کی۔ اس لیے کہ حق و ہدایت سے اعراض کرنے والے دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں:

ایک تو وہ لوگ ہیں جنہیں اپنے اوہام و خرافات کی بابت یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ بے بنیاد نہیں ہیں بلکہ کوئی نہ کوئی بنیاد رکھتے ہیں لیکن جب حقیقت بے نقاب ہوتی ہے تو ان کے گمان کی اہمیت آشکارا ہو جاتی ہے اور خیالات و اوہام کا تار پود کھڑ جاتا ہے۔ جاہل بدعتیوں اور ہوا پرستوں کا یہی حال ہو کہ یہ لوگ اپنے ہوا و آراء کو علم و بصیرت اور رشد و ہدایت سمجھ رہے ہیں، لیکن جب اصل حقائق ان کے سامنے آتے ہیں اس وقت ان پر ان کے ظن بے بنیاد کا راز کھلتا ہے اور واضح ہوتا ہے کہ ان کے عقائد اور ان کے اعمال کی یہ عمارت جو ان بے اصل عقائد کی بنیاد پر کھڑی ہے، ایسی ہی ہے جیسے ٹیل میدان کی چمکتی ہوئی ریت، جو دیر دیکھنے والوں کی نگاہوں میں پانی نظر آتی ہے اور حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔ یہی کیفیت اور یہی انجام ہے ان اعمال کا جو نہ اللہ کے لیے کیے گئے ہیں نہ احکام الہی کے اتباع میں، ان اعمال کو صاحبِ غلات اور سود و ہوس کا ذریعہ سمجھتا ہے حالانکہ اس غلط توقع کا انجام حسرت کے سوا کچھ نہیں۔ یہی وہ اعمال ہیں جن کی بابت حتیٰ وعدہ بلکہ فیصلہ ہے کہ وَقَدْ مَنَّ الْإِلَٰهُ عَلَى الْمُنَافِقِينَ فَجَعَلْنَاهُمْ هَبَاءً مَنْثُورًا۔

تشبیہ کی بلاغت پر غور کرو! اللہ تعالیٰ نے سراب کے ساتھ ”بِالْقَبِيحِ“ کی قید بھی لگائی ہے قبیحہ اسٹیبل میدان کو کہتے ہیں جہاں حیوانی اور نباتی وجود کا نام و نشان تک نہیں ہو، یعنی محلِ سراب اس سنان صحرا کو بتایا ہو بالکل بے آب گیا اور ہر غیر مجاہد وجود سے خالی ہو، اور خود سراب ایک ایسی شے ہے جو بالکل بے حقیقت و بے اصل ہے۔ اب ان کے اعمال اور قلوب کو، جہاں ایمان و ہدایت کی کسی کرن کا گزر ممکن نہیں، سراب اور اس کے مذکورہ بالا موقع و محل سے مطابقت دیکھیں چول سے چول بیٹھ جاتی ہے جس طرح اس شخص سراب میں کسی چیز کا وجود نہیں اسی طرح ان کے دلوں میں آفتابِ ہدایت کی کرنوں کا گزر نہیں، اور جس طرح

سراب کی کوئی حقیقت نہیں اسی طرح ان کے اعمال بھی فریب محض ہیں جن سے انھیں توقعات تو بہت ہیں مگر وقت پران کے لیے سراب کی طرح معدوم الحقیقت ثابت ہوں گے۔

پھر یَحْسَبُهُ الظَّهْمَانُ مَاءً لِّکِی قید مزید پر غور کرو۔ ”ظمان“ اس شخص کو کہتے ہیں جو سخت پیاسا ہو۔ ایسا شخص پیاس کی شدت سے بیتاب ہو کر جھکتی ہوئی ریت کو پانی سمجھ کر پاس آتا ہے اور وہاں کچھ نہیں پاتا بلکہ تشنگی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کفار کا یہی حال ہو گا ان کے اعمال غیر اللہ کے لیے ہونے اور اطاعت رسول پر مبنی نہ ہونے کی وجہ سے بالکل سراب کے مشابہ ہیں۔ جس طرح پیاس آدی جھکتی ہوئی ریت کی طرف، پانی سمجھ کر لپکتا ہے اور ناگہانی یاس و حسرت کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا اسی طرح میدانِ حشر میں کفار نہایت احتیاج کی حالت میں، بڑی امیدوں کے ساتھ اپنے اعمال کی طرف بڑھیں گے لیکن اعمال کا کہیں نام و نشان نہ ہو گا البتہ خدا موجود نہ گا اور ان کا حساب پرکادے گا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ باری تعالیٰ کی (قیامت کے دن) تجلی کا ذکر کرتے ہوئے آنحضرت صلیم نے فرمایا:۔

”پھر جنم لاکریش کی جائے گی جس کی شکل بالکل سراب کی سی ہوگی۔ اور یہود سے سوال ہو گا کہ تم نے کس کی عبادت کی؟ کہیں گے خدا کے بیٹے عزیر کی، کہا جائے گا تم جھوٹے ہو، خدا کے نہ بوی تھی نہ بیٹا۔ اچھا اب کیا چاہتے ہو؟ کہیں گے، پانی پینا۔ کہا جائے گا جاؤ۔ چنانچہ وہ جہنم کی طرف ٹوٹ پڑیں گے پھر نصا^{رقی} سے خطاب ہو گا، تم نے کس کو پوجا؟ جواب دیں گے نبی خدا کے بیٹے کو۔ کہا جائے گا تم جھوٹ بکتے ہو، خدا بیوری، بیٹے والا ب تھا۔ کہا اب کیا چاہتے ہو؟ کہیں گے سراب ہونا حکم ہو گا جاؤ۔ یہ۔ سو وہ بھی دوزخ میں کرے جا رہے ہوں گے الخ“

ہر باطل پرست کلا ہی حال ہو گا یعنی باطل اس کے ساتھ اس وقت غارِ کفر کا جبکہ اسے مدد کی سخت ضرورت ہوگی کیونکہ باطل کی کوئی صلیت نہیں ہوتی، اس کا منہ بھی دیرا ہی باطل ہوتا ہے جیسا کہ اس کا اسم پس جب اعتقاد میں حق کی مطابقت نہ پائی جائے گی تو اس سے جو چیز متعلق ہوگی وہ بھی باطل ہوگی۔ اسی طرح عمل کی غرض و غایت اگر باطل ہو

مثلاً عمل خالصہً لوجہ اللہ نہ ہو یا احکام الہی پر مبنی نہ ہو، تو وہ باطل ہوگا اور عمل کرنے والا اپنی توقع کے خلاف اس کی بدولت مضرت سے دوچار ہوگا۔ نیز اس کے اعتقاد و عمل کی طرف سے غفلت نہ ہوگی کہ مال و مال علیہ کا فرق و امتیاز کو بغیر فیصلہ ہو جانے بلکہ اسے نفع سے محروم رہنا اور مضرت و عذاب کا مزہ کھینا ہوگا۔ وَ وَجَدَ اللَّهُ عِنْدَكَ فَوَاقَهُ حِسَابَهُ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔

یہ اس گم کردہ راہ جماعت کی تصویر و تمثیل تھی جس نے غلط گمان کی وجہ اپنے آپ کو ہدایت اور راہ راست سمجھا تھا۔ اب سکرین حق کی دوسری قم کو جس کے حالات کی تشبیہ و ظلمات بحر سے دی گئی ہے۔ یہ ان لوگوں پر متل ہوتی ہے جو حق اور شر و ہدایت کو جان پہچان کر ترک کر دیتے اور باطل ہی کی تارکیوں کو اپنے لیے پسند کرتے ہیں۔ ان لوگوں پر ایک دو نہیں کئی طرح کی تارکیاں چھا جاتی ہیں۔ ایک طرف سے فطرت کی ظلمت کا شکار ہوتے ہیں۔ دوسری طرف روح کی ظلمت کا۔ تیسری سمت سے جہل کی تارکی مسلط ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتے، انجام جہل کا زنگ ان پر پڑھ جاتا ہے، اور جو حق طرف اتباع ہوا کی۔ ان تہ بہ تہ ظلمتوں میں گھر جانے کے بعد ان کا حال بالکل اس شخص کے مشابہ ہو جاتا ہے جو ایک ایسے دریائے پائیدار کنارے میں جا پہنچا ہو جس میں نہروں پر لہریں اٹھ رہی ہوں اور تھما ہی اوپر سے سیاہ بادلوں کی تارکی بھی اس پر چھائی ہوئی ہو یعنی اس پر تین طرح کی تارکیاں بیک وقت چھائی ہوئی ہوں، دریائی تارکی، موجوں کی تارکی، اور بادل کی تارکی۔ غور کرو، انھیں تارکیوں کے مشابہ کفار کے قلوب کی تارکیاں بھی ہیں۔ فطرت کی تارکی، روح کی تارکی، اور دماغ کی تارکی۔

سراب (جسے دور سے پانی یعنی مادہ حیات سمجھا گیا)، اور ظلمات (جو نور کی ضد ہے)، کی یہ دونوں شنیں اُن دونوں (تاری و آبی) مشلوں کے مشابہ ہیں جو منافقین اور مومنین کے بارے میں اوپر بیان کی جا چکی ہیں اور جن میں مومنین کا حصہ ”زندگی“ اور نور ”دکھایا گیا ہے اور منافقین کا حصہ ان کے برعکس ظلمت اور زوت کی ہولناکی بتائی گئی ہے۔ یہی حالت سکرین و منافقین کی زیر بحث مشلوں میں بھی بیان ہوئی ہے کہ پانی کی تلاش میں انھیں سراب ملا جو دھوکے سے پانی نظر آ رہا تھا اور جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی، اسی طرح نور کے بجائے ظلمت،

جو ایک طرح کی روحانی موت ہے، ان کے مقدر میں نکلی۔

ہو سکتا ہے کہ اس تشیل میں بحیثیت مجموعی کفار کی تمام جماعتوں کی حالت کی طرف اشارہ ہو اور ان سب کی اس مشترک بذختی کا انہار مقصود ہو کہ انہوں نے وحی الہی کی طرف اعتناء اور توجہ نہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ”روح حیات“ اور ”نور“ سے محروم ہو گئے (کیونکہ قرآن وحی کو روح اور نور سے تعبیر کرتا ہے) اس صورت میں یہ دونوں مثلین ایک ہی موصوف کی صفتیں ہوں گی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کفار کے مختلف گروہوں کا الگ الگ حال بیان کرنا مقصود ہو۔ اس صورت میں پہلی مثل ان لوگوں سے متعلق ہوگی جنہوں نے علم و بصیرت کی روشنی کے بجائے محض ظن اور پہل اور اپنے اسلاف کے حسن ظن پر اپنے اعمال کی بنا رکھی، اور آخر دم تک یہ سمجھتے رہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں نہایت ہی بہتر کر رہے ہیں انہی گمراہی کے باوجود انہیں اپنے حسن عمل کا پورا یقین تھا۔ اور دوسری مثل اس جماعت کے بارے میں ہوگی جس نے ہدایت کو چھوڑ کر ضلالت اختیار کی اور حق و صداقت پر باطل کو ترجیح دی اور حق اور ہدایت کا چہرہ دیکھنے کے بعد اندھے بنے یعنی حق کو پہچان کر انکار کی شقاوت میں مبتلا ہو۔ دونوں گروہوں کا فرق ظاہر ہے۔ پہلا گروہ ضالین کا ہے اور دوسرا مغضوب علیہم کا۔ اور ان دونوں گروہوں کا حال اُس نعم علیہم گروہ کے حال سے بالکل مختلف بلکہ مقابل ہے جس کا ذکر آیت ”لَوْ رَأَوْا اللَّهَ لُكُوفُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“ میں کیا گیا ہے۔ اس پورے سلسلے کو سامنے رکھو تو معلوم ہوگا کہ ان آیات میں تینوں جماعتوں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں، ایک تو وہ گروہ ہے جس کے لیے نور کی مثل بیان کی گئی ہے۔ دوسری جماعت ضالین کی ہے جو ضلالت کی تاریکیوں میں ٹھوکر کھاتی رہی، جس کے لیے سراب کی مثال دی گئی ہے۔ اور تیسری جماعت مغضوب علیہم کی ہے جس پر خدا کی جھٹکا اور غضب کی لعنت پڑی ”اِنَّكَ ظَلُمْتُمْ“ میں انہیں کی تصویہ کھینچی گئی ہے مختصر لفظوں میں ان تینوں گروہوں کا نام، اہل نور، اہل سراب، اور اہل ظلمات رکھا جاسکتا ہے۔ پس ان دونوں مثالوں میں پہلی مثل اربابِ باطل کی ہے جنہوں نے عملِ باطل کا نفع اور فائدہ سے بالکل خالی، ذخیرہ جمع کیا۔ اور دوسری ان اصحابِ علمِ باطل کی ہے جنہوں نے علم حق کو چھوڑ کر غلط اعتقاد اور فاسد اور غیر نافع علم اختیار کیا۔

اور یہ دونوں چیزیں، باطل عمل اور باطل علم، دین حق سے فطری تضاد رکھتی ہیں۔ اسی وجہ اللہ تعالیٰ نے فریقِ ثانی کے شکوک و شبہات اور علومِ فاسدہ سے گھرے ہوئے دلوں کی تشبیہ اس دریا کی متلاطم حالت دی ہے جس میں موجیں اٹھ رہی ہوں اور تہ بہ تہ بادلوں کی تاریکی بھی اوپر سے مسلط ہو کیونکہ بعینہی تصویر ان تاریک اور مضطرب لوں کی ہیئتِ نفسی کی ہوتی ہے جن کے اندر شکوک و شبہات کے دریا موجزن ہوتے ہیں، اور جن پر دغہ و گمراہی، ہوا پرستی اور باطل کا سیاہ ابر بھی محیط ہوتا ہے۔ اگر علم و بصیرت کے ساتھ ان دونوں شلوں پر اور کفار کی ہیئتِ نفسانیہ سے ان کے کمالِ تطابق پر غور کیا جائے تو فطرتِ انسانی قرآن کی عظمت و جلالت کے سامنے سراسر اعتراف جھکا دے گی اور اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ اسی ذاتِ واحد کا کلام ہو سکتا جو ہر طرح کی تائیدوں اور تعریفوں کی تہاہرِ ستیج اور تمام حکم و اسرارِ فطرت کی تہاہرِ راز داں ہے۔

(۷) کفر نامکمل العلاج مریضوں کی حالت کی مثال :-

اَمْ تَحْسَبُ اَنْ اَكْتُفًى بِهِمْ مَعْنَوْنَ
اَوْ يَجْعَلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَاِلَافٍ لِّاَنْعَامٍ بَلْ
هُمْ اَصْنٰعٌ سٰبِغٌ (فرقان - ۱۳)

یا تم خیال کرتے ہو کہ ان میں اکثریتِ بھٹتے ہیں؟ نہیں،
یہ تو بالکل چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی
گئے گزرے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اس انسانی کے کج فطرت طبقہ کی تشبیہ چوپایوں سے دی ہے جو بے ہمت و ہایت کا عدم قبول ہے جس میں دونوں گروہ کیساں طور پر شریک ہیں۔ یہ لوگ ہلنی تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں اور فہم و ادراک کی صلاحیت فنا کر کے بہل کے قالب میں ایسے ڈھل گئے ہیں کہ گویا حیوانات کی طرح انھیں سر سے عقل و ہوش اور بصیرتِ قلب کی استعداد حاصل ہی نہیں ہوئی۔ پھر اس تشبیہ کے بعد قرآن نے ان لوگوں کو جانوروں سے بھی زیادہ جادہ فراموش اور شاہراہِ ہایت سے دور بتایا ہے کیونکہ بہائم و انعام اگرچہ ایک بے عقل و خرد مخلوق ہیں لیکن پھر بھی جبر و اسے کی رہنمائی کے ذریعہ صحیح راہ انھیں مل جاتی ہے، جسے وہ اختیار کرنے میں پس پیش نہیں کرتے اور نہ زیادہ تردد میں بائیں کترانے کی کوشش کرتے

ہیں لیکن حضرت انسان کو دیکھو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ان کو حق و معرفت کی تلقین کرتے، ہدایت کی راہ سمجھاتے اور نجات کی طرف دعوت دیتے ہیں تو ان کے کانوں پر جون تک نہیں بیگنتی اور اس دعوت کو قبول کرنے کے بجائے اٹے اس کے دشمن بن جاتے ہیں، اور اپنے نفع نقصان تک کی تیز روانہ نہیں رکھتے کہ جو چیز ان کی نوع (انسانیت) کے لیے مفید ہو اسے اختیار کریں اور جو چیز اس کے لیے مہلک ہو اسے ترک کر دیں لیکن حیوان پھر بھی بائیں ہمہ ہوسٹ اپنے بھلے برے کی تیز کرتا ہے، مضر باتات اور مہلک پودوں کے کھانے اور خطرناک راستوں پر چلنے سے پوری طرح اجتناب کرتا ہے، حالانکہ خداوند عالم نے اس کو قلب ایسا دیا ہے جس میں فہم و بصیرت کی روشنی مفقود ہے اور زبان ایسی دی ہے کہ لفظ و گویائی سے قطعاً محروم۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ان تمام نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے جو ان کے لیے ہر قدم پر دلیل راہ بن سکتی ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اُن سے فائدہ اٹھانے اور ہدایت و معرفت کی سعادت حاصل کرنے سے محروم ہی رہے، اور عقل کی روشنی، قلب کی بصیرت، زبان کی گویائی، کان کی سماعت اور آنکھ کی بصارت رکھتے ہوئے بھی انھوں نے ان تمام آلات تیز سے حق و باطل کی راہیں متعین کرنے اور کھرے کھوٹے کو پہچان لینے میں کام نہ لیا۔ پھر وہ حیوانات سے بھی زیادہ گمراہ اور اَضَلُّ کیوں نہ ہوں کیونکہ جو ہاتھوں میں چراغ رکھتا ہوا اور اس کے باوجود گرے میں جا گرے وہ اس شخص کی نسبت بہت زیادہ قابلِ ملامت ہے جو بغیر چراغ کے ٹھوک کھائے۔

(۸) شرک کی نامعقولیت :-

صَرَ بَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ أَنفُسِكُمْ
هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ تَرْشِكُونَ
فِيمَا رَكَّبْتُمْ أَفَإِنَّ لَكُمْ فِيهِ سَوَاءٌ تَتَخَفُونَ
لَكُمْ فِيكُمْ أَنفُسَكُمْ لَذَلِكَ نَفَصَلُ الْآيَاتِ
لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (روم - ۴)

اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے ہی حال سے ایک مثال بیان کرتا ہے جن غلاموں کے تم مالک ہو کیا ان میں سے کوئی بھی اس روزی میں، جو تم نے تم کو دے رکھی ہے، تمہارا شریک ہو کر تم اور وہ اس میں برابر کا حق رکھتی ہو اور اس بھی ویسا ہی اندیشہ رکھتے ہو جیسا اپنے (جیسے آزاد حق صرف رکھنے والوں) سے؟ ایسا ہی

سمجھنے والوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کرتے ہیں۔

آیت کریمہ میں جس دلیل سے اللہ تعالیٰ نے شرکین کے بے بنیاد مسلک کے خلاف استدلال کیا ہے اسے اصطلاح میں دلیل قیاس کہا جاتا ہے۔ استفہاناً مان کے غلاموں کو ان کا شریک شہیم قرار دے کر ان کے غلامانہ جہت قائم کی ہے جس کی صحت کے وہ کلی طور پر ایسے معترف ہیں کہ ان کے دماغ میں کبھی اس کی غلطی کا وہم بھی نہیں گذرتا۔ اور یہ دلیل و حجت کا بہترین و بلیغ ترین اسلوب ہے کہ مخالف پر خود اسی کے مسلمات اور یہی کلیات سے حجت قائم کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ان نادان انسانوں سے خطاب کر کے فرماتا ہے کہ تمہارا یہ غلام او لوٹیاں جو تمہارے دست تصرف میں ہیں کیا یہ تمہارے مال و متاع میں شریک ہیں؟ کیا اپنے ان مالک کے متعلق تم یہ تصور کر سکتے ہو کہ تمہاری جائیداد میں یہ مساویانہ حصہ داری رکھتے ہیں؟ اور اس تصور کے تحت تمہارے دلوں میں کبھی یہ خوف پیدا ہوتا ہے کہ کبھی وہ تمہارے مال و متاع میں سے اپنا حصہ ہٹالیں گے یا اپنے حصہ زادہ تمہارا حق بھی مار لیں گے جس طرح کہ ایک شریک دوسرے شریک سے عموماً خوف و بے اطمینانی محسوس کیا کرتا ہے؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے "مَنْ خَافَ هُوَ شَرِيكٌ كَيْفَ يَكْفِيكَ" کی تاویل یہ فرمائی ہے کہ کیا تم کو ان غلاموں سے یہ اندیشہ اور خوف ہے کہ وہ تمہارے مال و اسباب کے وارث ہو جائیں گے جس طرح کہ تم میں سے بعض بعض ترکیز حق وراثت حاصل ہوتا ہے؟ بہر کیف آیت کا مقصد یہ کہ تم میں سے کون ہے جو اس بات پر راضی ہوگا کہ اس کا غلام اس کے سرمایہ اور اہل و اولاد میں شریک ہوتی کہ اس کے برابر حق تصرف رکھے، اور اس حق تصرف کی وجہ سے یہ اندیشہ لاحق ہو کہ کہیں وہ (غلام) موقع یا کر ساری ملکیت پر بناء قابض ہو جائے، جیسا کہ برابر شرکاء میں یہ خطرہ ہر دم موجود رہتا ہے؟ اگر تم اس پر راضی نہیں اور نہ کبھی ایسی مامقول بات تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو تو پھر وہی بات میرے لیے کیوں پسند کرتے ہو؟ اور میری مخلوقات کو، جو میرے خلق غلامی میں ہیں، کو دیکھ کر میرے سر اور ہم پایہ قرار دینے ہو؟ اور جبکہ غلام و آقا کی اس مساوات کے تحلیل کو تمہاری عقل اور فطرت بلا تہ غلط سمجھتی ہے (حالانکہ تمہارے حق میں اس کا بہت کچھ امکان بھی ہے اس لیے کہ حقیقت کے اعتبار سے تو تمہارا

غلام تمھاری ملک کسی طرح نہیں ہیں، بلکہ دراصل وہ تمھارے برابر کے بھائی ہیں، البتہ اللہ تعالیٰ نے انھیں تمھارے قبضہ اقتدار میں دے رکھا ہے، اس لیے محض عرضی طور پر نہ کہ حقیقی طور پر دونوں کے مرتبے جداگانہ ہو گئے ہیں اور دونوں کو مجازاً آقا اور غلام کے الگ الگ نام مل گئے ہیں، ورنہ حقیقتاً تم اور تمھارے غلام دونوں کے دونوں کی کسی اور ہی حقیقی آقا کے غلام اور بندے ہیں، تو میرے حق میں تمھارا ضمیر اسی تخیل کے تسلیم کرنے کی اجازت کیوں کر دیتا ہے حالانکہ وہ تمام کے تمام میرے ہی بندے، میری ہی ملکیت اور میری ہی مخلوق ہیں جن کو تم میرا ہم پائیہ وہم مرتبہ اور شریک بنا رکھا ہے؟ یہ ہے تفصیل آیات، **لَیْسَ کَذٰلِکَ نَفْصِلُ الْاٰیٰتِ کَا**۔ (۹) البطلان شرک :-

صَوَّبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا اٰمَلُوْكَ لَا یَقْدِرُ
عَلٰی شَیْءٍ وَّمِنْ رِّدْقِنَا مِثَارَ زُقَا حَنَافِیْهِمْ
بِیَنْقُ مِنْهُ سِرَاقُہُمْ اَہْلٌ یَّسْتَوْنَ لِحَدِّ اللّٰہِ
بَلْ اَلَمْ نَعْمُدْ لَکُمْ لِمَوْنٍ۔ وَصَوَّبَ اللّٰهُ مَثَلًا
رَّجُلَیْنِ اَحَدُہُمَا اَبَکُمْ لَا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَہُوَ
کُلٌّ عَلٰی مَوْلَاہُ اَیْنَمَا یُوجِہُہُ الْاٰیٰتِ یَخْبِرُہُنَّ
لَیْسَتْوٰی ہُوَ وَمِنْ یَّأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَہُوَ عَلٰی
صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (نحل - ۱۰)

خداؤ ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک غلام جو دوسری کی ملک ہو چکی ہو گئی ہو
اختیار نہیں کرتا۔ دوسرا شخص ہے (خود خدا) جس کو ہم نے اپنی سرکار
بھی روزی و درگی کر تو وہ اس سے کچھ جھپکراؤ کچھ کھلے طور پر خرچ
کرتا ہو کیا ایسی دو شخص برابر ہو سکتے ہیں؟ یہ مثال سنکر ترکین ضرور
پکارا طعین (اے محمدؐ کہ انا تو مجھے، لیکن ان سے تیرے ایسی بھی ہیں جو
اتنا بھی مجھ سے قاصر ہیں۔ اور خداؤ ایک سری مثل دو آدمیوں کی
بیان فرمائی ان میں کا ایک لوگوں کا غلام بھی، جو کچھ مندر کی کرتا
(نیز) وہ اپنے آقا کا بارخاطمی ہو کہ جہاں کہیں اس کو بھیجیں اسے چھوٹا

انہیں بن آنا کیسا غلام اور وہ عدل کا حکم کرتا ہے اور خود بھی سیدی ماہ پر ہے، برابر ہو سکتے ہیں۔

ان آیات میں قرآن نے دو مثالیں بیان کی ہیں اور دونوں میں استدلال کا وہ طریقہ اختیار کیا ہے جسے اصطلاح میں قیاس عکس کہا جاتا ہے یعنی کسی شے سے علت حکم کی نفی کر کے اس حکم کی نفی کرنا۔ کیونکہ قیاس کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تو قیاس عام جس میں ثبوت علت کی وجہ سے فرع میں اسل کا حکم لگایا جاتا ہے۔ دوسرا قیاس عکس جس میں

نفی علت کی وجہ فرع سے اصل کے حکم کی نفی کی جاتی ہے۔ یہاں اسی طرز استدلال سے زیر بحث نشوں میں کام لیا گیا ہے۔ پہلی مثال اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت اور شان ملکیت، اور بتوں کے عجز اور نیکی کی دی ہے۔ اور بت پرستی کی نکتہ پر روشنی ڈالی ہے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ، عالم کی تمام اشیا کا مالک کل اور ذرہ ذرہ کا فرمانروا ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے بھنی ہو کر، اور کھلے بندوں شب و روز اپنے بندوں کو انواع و اقسام کی نعمتوں سے نوازتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے حد حساب دے ڈالتا ہے۔ اس کا خزانہ رزق اتنا وسیع اور لامحدود ہے کہ شانہ روز کی پیچہ بخششوں اور فیاضیوں کے باوجود بھی کم ہونے والا نہیں۔ اس کے عکس اصنام و اوثان ایک محکوم اور درماندہ مخلوق ہیں جن کو کسی چیز پر بھی قدرت و اختیار نہیں تو پھر شرکین کو کیا ہو گیا ہے کہ اس عظیم الشان اور روشن آفتاب فرق کے باوجود کہیں قادر مطلق ہوں اور یہ بت مجبور محض، میں مالک ہوں اور یہ ملوک، وہ کس طرح ان بے بس اور درماندہ مورتوں کو میرا شریک و بہتا سمجھتے ہیں۔ اور مجھے چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے ہیں۔

آیت کی یہ تاویل امام مجاہد وغیرہ کی ہے لیکن حضرت عبداللہ بن عباس نے ایک دوسری تاویل بیان فرمائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی اودھودان باطل کی مثال نہیں دی ہے بلکہ مومن اور کافر کی دی ہے، اور بت یا حجر کھالص مومن کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اللہ کی طرف سے بہترین رزق سے نوازا گیا ہے جسے وہ اپنے مصائب میں بھی خرچ کرتا ہے اور دوسروں کی بھی، جھپکڑاؤں پر بلا، ہر طریقہ سے حاجت روائی کرتا ہے۔ بخلاف اس کے غیر و صلاح سے عاری کافر کی مثال اس بیکس اور زیر اقتدار غلام کی سی ہے جو مجبور محض اور بالکل ہی قدرت و اختیار سے محروم اور جو ایک جبر بھی خرچ کرنے پر قادر نہیں۔ کیونکہ اس کے پاس کچھ ہے ہی نہیں۔ اس توضیح اور تفریق کے بعد سوال کرتا ہے کہ کیا کسی صاحب عقل کے نزدیک یہ دونوں کیساں اور ہم پلہ ہو سکتے ہیں؟

آیت کی یہ دو تاویلیں کی گئی ہیں، لیکن پہلی تاویل زیادہ مخفی و لگتی ہوئی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اصل مقصد یعنی ابطال شرک کے لیے یہ زیادہ مؤثر بھی ہے اور واضح بھی۔ اور نظم کلام بھی ایسی کاقتضیٰ ہے، چنانچہ اس سے پہلے آیت وَیَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِنْ السَّمٰوٰتِ وَلَا اَرْضٍ

ثَنِيًّا وَلَا يَسْتَضِيْعُونَ فَلَا تَضْرِبُوا اللَّهَ الْأَمْثَالَ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ جس میں شرک کی بے بنیادی ثابت کی گئی ہے۔ اور اس کے بعد ہی ضَرْبِ اللَّهِ مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ کی تفسیر بیان کی گئی ہے جس سے متبادری ہی ہوتا ہے کہ تفسیر آیت مابقی کی توضیح ہے۔ ہاں اس مثل سے لازمی طور پر مفہوم بھی خود بخود کھل جاتا ہے کہ توحید پر کامل اعتقاد رکھنے والے مومن کا حال اس شخص کا سا ہے جس کو بارگاہِ خداوندی سے رزق کا بہترین حصہ ملا ہو اور اس کو اس سے فائدہ اٹھانے کا پورا پورا اختیار حاصل ہو، اور کافر شرک کی مثال اس زیرِ اقتدار اور مملوک غلام کی سی ہے جس کو کچھ بھی قدرت و اختیار حاصل نہیں۔ لیکن یہ آیت کا اصل معنی نہیں ہے بلکہ بطور اشارہ النص کے اس سے یہ مفہوم بھی ضمناً نکلتا ہے۔ لہذا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فرمانا کہ اس مثل میں مومن و کافر کی حالت بیان ہوئی ہے، دراصل اسی حقیقت کا حامل ہے اور ان کے کہنے کا مقصد یہی ہے کہ ابطال شرک کے ساتھ ساتھ مومن و کافر کی واقعی حیثیت بھی اشارۃً اس آیت سے روشنی میں آ جاتی ہے۔ یہ مقصد نہیں ہے کہ آیت کا اصلی اوستین مفہوم ہی یہی ہے۔ اور قرآن کے فہم اور اس کی تفسیر کا یہ بھی ایک عام انداز ہے جس کی تائید چاہو تو قدما کے اقوال کی طرف مراجعت کرو حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دیگر سلف صالحین کے اقوال میں تو اس کی بے شمار نظیریں موعود ہیں۔ وہ اکثر آیات میں ان کے اصل معنی کو بیان کرنے کے بجائے ان کے لوازم اور ضمنی احکام پر اشارہ کر کے خاموش ہو جاتے ہیں، لیکن عام لوگوں کو گناہ ہوتا ہے کہ آیات کی متعین تاویل ان کے نزدیک یہی ہے، اور اس کو یہ نظری کی وجہ سے لوگ اقوالِ سلف کو تفسیر آیات کی حیثیت سے پیش کرنے لگتے ہیں۔

تقریظ و انتقاد

”متحدہ قومیت اور اسلام“

اس عنوان سے جناب مولانا حسین احمد صاحب صدر دارالعلوم دیوبند کا ایک رسالہ حال میں شائع ہوا ہے، اور ہمارے پاس تنقید کے لیے بھیجا گیا ہے۔ ایک نامور عالم دین، اور ہندوستان کی سب سے بڑی دینی درس گاہ کے صدر ہونے کی حیثیت سے مصنف کا جو مرتبہ ہے، اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہمیں توقع تھی کہ اس رسالے میں ”قومیت“ کے اہم اور نہایت پیچیدہ مسئلہ کی تنقیح و تحقیق خالص علمی طریقہ پر کی گئی ہوگی، اور اس باب میں اسلام کا نقطہ نظر پوری طرح واضح کر دیا گیا ہوگا۔ لیکن ہمیں افسوس ہے کہ ہم نے اس رسالہ کو اپنی توقعات کے اور مصنف کی ذمہ دارانہ حیثیت کے بہت فروتر پایا۔

یہ ایسا زمانہ ہے جس میں باہمی تصورات ہر طرف سے اسلامی حقائق پر زعفران کر رکھا ہے، اور اسلام اپنے گھر ہی میں غریب ہو رہا ہے۔ خود مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ وہ خالص اسلامی نگاہ سے سائل کو نہیں دیکھتے، اور کی علم کی وجہ سے نہیں دیکھ سکتے۔ پھر قومیت کا مسئلہ اتنا اہم ہے کہ اسی کے صاف اور واضح فہم و ادراک پر ایک قوم کی زندگی کا مدد ہوتا ہے۔ اگر کوئی قوم اپنی قومیت کے اساتذہ کو اپنی اصول و مبادی میں غلط ملط کر دے تو وہ قوم سر سے قوم ہی نہیں رہ سکتی۔ ایسے نازک زمانے میں ایسے نازک مسئلے پر قلم اٹھاتے ہوئے مولانا حسین احمد صاحب جیسے شخص کو اپنی ذمہ داری کا پورا احساس ہونا چاہیے تھا اس لیے کہ وہ امانتِ انبیاء کے امین ہیں اور جب اسلامی حقائق جاہلیت کے گرد و غبار میں چھپ رہے ہوں تو یہ انہی جیسے لوگوں کا کام ہے کہ انہیں صاف اور منبج کر کے روشنی میں لائیں۔ ان کو سمجھنا چاہیے تھا کہ اس فتنہ کے دور میں ان کی ذمہ داری عام مسلمانوں کی ذمہ داری

سے زیادہ سخت ہے اور اگر مسلمان کسی گمراہی میں مبتلا ہوں تو سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر وہی اخذ ہونے والی ہیں۔ لیکن ہمیں پھر فسون کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مولانا کا یہ رسالہ اس قدر اری کے احساس سے بالکل خالی ہے۔ میں مسئلے کی حقیقت کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی ہے، جن الجھنوں میں مسئلہ اس وقت الجھا ہوا ہے ان کو کھجائے کے بجائے فاضل مصنف خود انہی میں الجھ گئے ہیں، اور انھوں نے اپنا تمام تر ذور صرف اس پر صرف کر دیا ہے کہ متحدہ قومیت کو محض افطہی حیثیت سے ایک اسلامی چیز ثابت کر دکھائیں، بلا اس لحاظ کے کہ معنی اور مال کے اعتبار سے بھی وہ اسلامی ہو یا نہ ہو۔

غیر علمی زاویہ نظر | ایک مصنف کی تصنیف میں سب سے پہلے جس چیز کو تلاش کرنا چاہیے وہ اس کا زاویہ نظر ہے، اس لیے کہ اپنے موضوع کے ساتھ مصنف کا برتاؤ، اور اس کا صحیح یا غلط نتائج پر پہنچنا، تمام تر اس کے زاویہ نظر ہی پر منحصر ہوتا رہتا ہے اور صحیح زاویہ نظر یہ ہے کہ آدمی محض امر حق کا طالب ہو اور مسئلے کو، جیسا کہ وہ فطرۃً و حقیقتاً ہے، اس کے اصلی رنگ میں دیکھے، اور حقیقت کا یہ مشاہدہ جس تجربہ پر بھی پہنچا ہو اس پر پہنچ جائے بلا اس لحاظ کے کہ وہ کس کے خلاف پڑتا ہو اور کس کے موافق۔ یہ بحث تحقیق کا فطری اور علمی زاویہ نظر ہے اور اسلامی زاویہ نظر بھی اس کے سوا کوئی نہیں کہ اسلام کی روح ہی المحب فی اللہ و البغض فی اللہ ہے۔ اس سید زاویہ نظر کے علاوہ بہت سے ٹیسے لڑیائے نظری ہیں مثلاً ایک یہ کہ آپ کی محبت میں مبتلا ہیں، اس لیے صرف اسی نتیجہ کی طرف جانا چاہتے ہیں جو اس کے موافق ہو، اور دوسرا یہ کہ آپ کسی سے بغض و عداوت ہے اس لیے آپ کی تلاش صرف انہی چیزوں کی ہے جو آپ کے بغض کی مخالفت ہوں۔ اس قسم کے ٹیسے زاویے جتنے بھی ہیں سب کے سب خلاف حق ہیں۔ انھیں اختیار کر کے کوئی بحث کسی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتی۔ کسی عالم و متقی انسان کے لیے زیبا نہیں کہ ایسے کسی زاویہ سے کسی مسئلے پر نگاہ ڈالے اس لیے کہ یہ اسلامی نہیں بلکہ جاہلی زاویہ نظر ہے۔

اس بات میں دیکھنا چاہیے کہ مولانا اس سائیں کو نہ زاویہ نظر اختیار فرمایا ہے۔ اپنی بحث کو آغاز میں وہ فرماتے ہیں:-

”خبر دی معلوم ہوا کہ... ان غلطیوں کا انکار کروں جو اس قسم کی قومیت متحدہ سے ممانعت آؤ

اس کو خلافِ دیانت قرار دینے کے متعلق شائع ہوئی ہیں یا شائع کی جا رہی ہیں۔ کنگرہ ۱۸۵۷ء سے اہل ہندوستان سے بنا برطانیہ اس اتحاد قومی کا مطالبہ کرتی ہوئی بیش از بیش جدوجہد عمل میں لا رہی ہے۔ اور اس کی تعادل و مخفی قوتیں اس کے غیر قابل قبول ہونے بلکہ ناجائز اور حرام ہونے کی انتہائی کوششیں عمل میں لا رہی ہیں۔ یقیناً برٹش شہنشاہیت کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی خطرناک چیز نہیں ہے۔ یہ چیز میدان میں آج سے نہیں بلکہ تقریباً ۱۸۵۷ء یا اس سے پہلے۔ لائی گئی ہے اور مختلف عنوانوں سے اس کی وحی ہندوستانیوں کے دل و دماغ پر عمل میں لائی جا رہی ہے۔“ (صفحہ ۵-۶)

پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں :-

”اگرچہ بہت سے ان لوگوں سے جن کو برطانیہ سے گہرا تعلق ہے یا جن کے دماغ اور قلب برطانوی مدبرین کے سحر سے ماؤں ہو چکے ہیں امید نہیں ہے کہ وہ اس کو قبول کریں گے۔“

اسی سلسلہ میں ڈاکٹر اقبال مرحوم کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان کی ہستی کوئی معمولی ہستی نہ تھی۔ وہ ایسے تھے اور ایسے تھے مگر بآدو و کلمات گوناگوں ساحرین برطانیہ کے سحر میں مبتلا ہو گئے تھے۔

پھر ایک طویل بحث کے بعد اپنے زاویہ نظر کا صاف صاف اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

”ہندوستانیوں کا لطیف کی بنا پر متحدہ قومیت بنالینا انگلستان کے لیے جس قدر خطرناک جزوہ ہماری اس شہادت کا ظاہر ہے جو کہنے پر وفیر سیلے کے مقابلے سے نفق کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضدِ ضمیر یا ضیعت بھی اگر ہندوستانیوں میں پیدا ہو جائے تو اگرچہ ان میں انگریزوں کے نکالنے کی طاقت موجود بھی نہ ہو مگر فقط اس وجہ کہ ان میں یہ ذہاں جاگزیں ہو جائے گا کہ مضی قوم کے ساتھ ان کے لیے اشتراک عمل شرمناک امر ہے، انگریزی شہنشاہیت کی خاتمہ ہو جائے گا۔“ (صفحہ ۸۳)

آگے چل کر ایک ایسی حیرت انگیز لکڑی کا اظہار فرماتے ہیں جسے بڑھ کر آدمی شہدہ رہ جاتا ہے کہ کیا یہ کسی متقی عالم

کی تحریر ہو سکتی ہے :-

”اگر وطنیت ایسی ہی ملعون اور بدترین چیز ہے تو چونکہ یورپ نے اس کو سہماں کر کے اسلامی بادشاہوں اور عثمانی خلافت کی جڑ کو ہودی ہے مسلمانوں کو چاہیے تھا کہ اسی ملعون ہتھیار کو برطانیہ کی جڑ کو ہودنے کے لیے استعمال کرتے“ (صفحہ ۳۸)

اسی بحث کے دوران میں مولانا پہلے تو اس امر کا اعتراف فرماتے ہیں کہ پچھلی دو صدیوں میں اسلامی سلطنتوں کو جس قدر بھی نقصان پہنچا ہے اسی وجہ پہنچا ہے کہ یورپ نے اسلامی وحدت کے خلاف سخت پروپیگنڈا کیا، ”مسلمانوں میں نفی، وطنی، سانی امتیاز و افتراق پیدا کر دیا“ اور ان میں یہ اسپرٹ پیدا کی کہ ”ہمد مذہبی و روحانی نہ ہو بلکہ نسلی اور اوطان کے لیے کیا جائے اور مذہبیت کی اسپرٹ درمیان سے نکال دی جائے“ (صفحہ ۳۵-۳۶) لیکن امر حق کے اس قدر قریب پہنچ جانے کے بعد پھر وہی برطانیہ کا ہوا مولانا کے سامنے آن کھڑا ہوتا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ:-

”افسوس مسلمانوں میں اس وقت کوئی شخص مسلمانوں کی متحدہ قومیت اور انہا وطنیت و نسل و غیرہ کا دغظ کھڑا نہ ہوا اور نہ یورپ کے اخباروں و رسائل، کچھ اوروں کی بے حد بے شمار آڑھیوں کا مقابلہ کیا گیا جس کی نتیجہ یہ ہوا کہ پان اسلام ازم ایک تھکے باز نہ ہو کر فنا کے گھاٹ اتر گیا اور ممالک اسلامیہ یورپین قوم کے قہر میں گر کر رہ گئے۔ اب جبکہ مسلمانوں کو افریقہ، یورپ، ایشیا وغیرہ میں بارہ بارہ کر کے فنا کی گود میں لایا گیا ہے تو ہم کو کہا جاتا ہے کہ اسلام صرف نئی اتحاد کی تعلیم دیتا ہے، وہ کسی غیر مسلم جماعت سے اتحاد نہیں ہو سکتا اور نہ کسی غیر مسلم قوم کے ساتھ متحدہ قومیت بنا سکتا ہے“ (صفحہ ۳۶-۳۷)

یہ عبارات جنہیں اوپر لفظ بلفظ نقل کیا گیا ہے مولانا کے زاویہ نظر اور ان کے انداز فکر کو بالکل بے نقاب کر دیتی ہیں۔ ان سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ مولانا کی نگاہ میں حق اور باطل کا معیار صرف برطانیہ بن کر رہ گیا ہے۔ حق وہ ہے جو برطانیہ کے خلاف ہو اور باطل ہر وہ چیز ہے جس کے تعلق نہیں وہم ہو جائے کہ وہ برطانیہ کی اغراض کے لیے مفید ہے۔ وہ سکہ نہ تو ملی زاویہ نظر سے دیکھتے ہیں کہ حقائق اپنے اصلی رنگ میں انہیں نظر آسکیں، نہ وہ مسلمانوں کی خیر خواہی کے زاویہ نظر سے اس پر نگاہ ڈالتے ہیں کہ جو کچھ مسلمانوں کے لیے زہر ہے وہ انہیں زہر دکھائی

دے سکے۔ ان دونوں زاویوں کے بجائے ان پر فقط برطانیہ کی عداوت کا زاویہ نظر ستوی ہو گیا ہے جس کی وجہ سے ہر وہ چیز ان کو تریاق نظر آتی ہے جس کے متعلق کسی طرح ان کو معلوم ہو جائے کہ وہ برطانیہ کے لیے نہر ہے۔ اب اگر کوئی شخص اسی چیز کو مسلمانوں کے لیے نہر سمجھتا ہو اور اس بنیاد پر اس کی مخالفت کرے تو وہ ان کے نزدیک نہایت پرست کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ ان کو مسلمانوں کی زندگی سے اتنی دلچسپی نہیں جتنی برطانیہ کی موت کے اور جب یہ بات ان کے دل میں بٹھ چکی ہے کہ ”متحدہ قومیت“ برطانیہ کے لیے ہلکا ہے تو جو شخص اس کی مخالفت کرتا ہے وہ ”برطانیہ پرست“ کے سوا اور ہو ہی کیا سکتا ہے! — خیریت یہ ہوگئی کہ کسی نے مولانا کو برطانیہ کی ہلاکت کا ایک دوسرا نسخہ نہ بتا دیا جو متحدہ قومیت بھی زیادہ کارگر ہے یعنی یہ کہ ہندوستان کی ۳۵ کروڑ آبادی ایک بارگی خود کشی کرے جس سے برطانوی سلطنت ان کی آن میں ختم کی جاسکتی ہے۔ یہ تیر بہدت تدبیر اگر مولانا کے دل میں بٹھ جاتی تو وہ بے تکلف فرماتے کہ جو شخص ہندو کے باشندوں کو خود کشی سے روکتا ہے وہ برطانیہ پرست ہے۔ خود کشی اگر ”طعون“ اور ”بدرین“ فعل سہی، مگر جب کہ اس نتیجہ کی بڑھکھودی جاسکتی ہے تو فرض ہو جاتا ہے کہ اس فعل قبیح کا ارتکاب کیا جائے! — ایسی ہی باتوں سے یہ راز سمجھیں آتا ہے کہ دین میں الحب فی اللہ والبعض فی اللہ کو معیار حق کیوں قرار دیا گیا ہے۔ اگر خدا کا واسطہ درمیان ہٹ جائے اور بجائے خود کوئی شرموب یا بنو بن جائے تو عصیت جاہلیہ کی سرحد شروع ہو جاتی ہے جس میں وہ تمام ذرائع و وسائل جائز کر دیے جاتے ہیں جن سے انسان کے جذبات محبت و عداوت کی کشنی ہو سکے، قطع نظر اس کے کہ وہ قانون الہی کے مطابق ہوں یا اس کے خلاف۔ اسی لیے کہنے والے نے کہا کہ ذاتی عداوت تو شیطان سے بھی نہ ہونی چاہیے۔ اس میں بھی خدا کا واسطہ بیچ میں رہنا ضروری ہے ورنہ وہ خود ایک قانون بن جائے گی اور تم شیطان کی دشمنی میں خدا کے حدود توڑ دو گے، یعنی اپنے دشمن شیطان ہی کا کام کرو گے۔

اثبات مدعا کے لیے | اسی دشمنیت کا نتیجہ ہے کہ مولانا اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے تاریخ کے مشہور اور ذہین تعاقبات سے چشم پوشی کو بھی صاف نظر انداز کر جاتے ہیں۔ یورپ جب مسلمانوں میں فلی، وطنی اورسانی قومیتوں کی تبلیغ کر رہا تھا تو کیا مسلمانوں میں کوئی اس کا مقابلہ کرنے کے لیے کھڑا نہیں ہوا؟ کیا یلیو سلطان جمال الدین افغانی ہفتی محمد

مصطفیٰ کامل مصری، ایشیائے افسانہ، انور پاشا، جلال نوری، شعلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، محمود الحسن، محمد علی، شوکت علی، اقبال، ابوالکلام، مرحوم، کسی کا نام بھی نہ لانا نہیں سنا، کسی کے کارنامے ان تک نہیں پہنچے، کیا ان میں کسی نے بھی مسلمانوں کو متنبہ نہیں کیا کہ یہ جاہلیت کی تفریق تم کو تباہ کرنے کے لیے برپا کرانی جا رہی ہے؟ شاید مولانا ان سوالات کا جواب نفی میں نہ دیں گے۔ مگر وہ ان سب واقعات کی طرف سے انکھیں بند کر کے بے تکلف دعویٰ فرماتے ہیں کہ ”افسوس مسلمانوں میں اس وقت کوئی مسلمانوں کی متحدہ قومیت کا دماغ کھڑا نہ ہوا۔“ ایسا غلط دعویٰ کرنے کی آخر ضرورت کیا تھی؟ مقصود صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ پہلے مسلمانوں کی قومی وحدت برطانوی مفاد کے خلاف تھی اس لیے سب مسلمان نسلی، وطنی اور فیہنڈا بھیلانے میں لگے ہوئے تھے، اور اب اسلامی وحدت برطانوی اغراض کے لیے مفید ہو گئی ہے، اس لیے اس کا وعظ بھی شروع ہوا ہے، لہذا ثابت ہوا کہ وطن پرستی کے مخالف سب برطانیہ پرست ہیں اور محض ساحر برطانیہ کا سحر ان کے اندر بول رہا ہے۔ یہ سہ تہیہ تعبیبیت جاہلیہ کا چونکہ حق و باطل کا معیار ”برطانیہ“ ہو گیا اس لیے خلافت واقعتاً تو ان کی تصنیف بھی جائز ہو گئی اگر ان سے برطانیہ کے خلاف کوئی کام لیا جاسکے۔

یہی ذہنیت ہے جو ہمیں پورے رسالہ میں کارفرما نظر آتی ہے بغتہ کو، آیات قرآنی کو، اخبار و احادیث کو، تاریخی واقعات کو، غرض ہر چیز کو توڑ مروڑ کر اپنا مدعا ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور ہر اس چیز کو بے تکلف نظر انداز کر دیا گیا ہے جو مدعا کے خلاف ہو، چاہے وہ کسی ہی ظاہر و باہر حقیقت کیوں نہ ہو۔ حد یہ ہے کہ لفظی مغالطہ دینے اور قیاس مع الفارق اور بنا، فاسد علی الفساد کا ارتکاب کرنے میں بھی تامل نہیں فرمایا گیا۔ ایک عالم اور متقی عالم کا یہ کارنامہ دیکھ کر انسان انگشت بدندان رہ جاتا ہے کہ اسے کیا کہیے۔

قومیں اوطان گہمان نئی ہیں؟ | مولانا فرماتے ہیں کہ ”فی زمانہ قومیں اوطان سے بنی ہیں۔“ لیکن یہ ایک قطعی غلط اور سراسر بے بنیاد دعویٰ ہے۔ پوری انسانی تاریخ سے ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کی جاسکتی کہ کوئی قوم وطن پرستی ہو۔ آج اس زمانہ میں بھی دنیا کی تمام قومیں مولانا کے سامنے موجود ہیں۔ وہ فرمائیں کہ ان میں سے کون سی قوم وطن پرستی ہے؟ کیا امریکہ کے حبشی اور ریڈ انڈین اور سفید فام ایک قوم ہیں؟ کیا جرمنی کے یہودی اور جرمن ایک قوم ہیں؟

کیا پولینڈ، روس، ترکی، بلغاریہ، یونان، یوگوسلاویا، چیکوسلوواکیا، لتھوانیا، قزاقستان، کسی جگہ بھی خاک وطن کے شہر کے کسی ایک قوم بنائی ہو گیا انگلستان، فرانس، اٹلی اور جاپان میں وحدت کا رنگ محض خاک وطن نے پیدا کیا ہے؟ کیا ڈیڑھ کروڑ سے زیادہ یہودی جو دسے زمین کے اطراف و اکناف میں منتشر ہیں کسی جگہ بھی وطنی قومیت میں جذب ہو گیا یورپ کے مختلف ممالک میں جرمن، مگیار، سلاوی، مورادین وغیرہ مختلف قومی قلیتیں کسی جگہ بھی وطنی رشتہ اشتراک میں گم ہوئیں؟ واقعات تو بہر حال واقعات ہیں۔ آپ ان کو اپنی خواہشات کا تابع نہیں بنا سکتے۔ آپ کو یہ کہنے کا حق ہے، اگر آپ ایسا کہنا چاہیں کہ اب قوموں کو اوطان سے بننا چاہیے لیکن آپ کو ثبوت اور شہادت کی نیاز ہو کر دنیا کو یہ غلط خبر دینے کا کیا حق ہے کہ اب قومیں اوطان سے بننے لگی ہیں؟ **هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔**

اس میں شک نہیں کہ ایک ملک کے باشندوں کو باہر والے ان کے ملک کی طرف منسوب کرتے ہیں، مثلاً امریکن، خواہشی ہو یا فرنگی، باہر والے اس کو امریکن ہی کہیں گے۔ مگر کیا اس سے حقیقت بدل جاتی ہے کہ امریکن یہ دو الگ الگ قومیں ہیں نہ کہ ایک قوم؟ یہ بھی صحیح ہے کہ بین الاقوامی تعلقات میں ایک شخص اصطلاحاً اس سلطنت کا "میشل" کہلاتا ہے جس کی وہ رعایا ہو مثلاً اگر مولانا حسین احمد صاحب بیرون ہند تشریف لے جائیں تو ان کو "پرنسپل شیشلی" (برطانوی قوم) سے منسوب کیا جائے گا۔ لیکن کیا یہ اصطلاحی قومیت، حقیقت میں بھی مولانا کی قومیت بدل دے گی؟ پھر بھلا علی حیثیت سے اس استدلال کی کیا وقعت ہو سکتی ہے کہ اس وطن کے رہنے والے کی حیثیت سے سب (یعنی ہندو مسلمان سکھ عیسائی پارسی وغیرہ) ایک ہی قوم شمار ہوتے ہیں؟ شمار ہونے اور فی الواقع ہونے میں بڑا فرق ہے۔ ایک کو دوسرے کے لیے نہ تو ذیل بنایا جاسکتا ہے، اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کو فی الواقع وہی ہونا چاہیے جیسے وہ شمار کیے جاتے ہیں۔

نعت اور قرآن سے | اس کے بعد مولانا نعت عرب کی طرف رجوع فرماتے ہیں، اور وہاں سے یہ ثابت کرتے ہیں
 غلط استدلال کہ عربی زبان میں قوم کے معنی ہیں "مردوں کی جماعت"، یا "مردوں اور عورتوں کا مجموعہ"، یا ایک شخص کے اقرباء، یا دشمنوں کی جماعت۔ اس کا ثبوت انھوں نے آیات قرآنی سے بھی پیش فرمایا ہے۔ مثلاً وہ آیات جن میں کفار کو نبی کی یا مسلمانوں کی "قوم" قرار دیا گیا ہے جو صریحاً تیسرے اور چوتھے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ یادہ آیات جن میں

لفظ قوم پہلے یا دوسرے معنی میں متعلیٰ ہو ابے لیکن اس پوری بحث میں مولانا کو ایک مرتبہ بھی یہ خیال نہ آیا کہ اس وقت جو بحث درپیش ہے وہ لفظ قوم کے نوی معنی یا قدیم معنی سے متعلق نہیں ہے بلکہ موجودہ زمانہ کی اصطلاح سے تعلق رکھتی ہے جو اہل اور سید محمود دہشت عرب و قرآنی زبان میں کلام نہیں کرتے۔ نہ کانگریس کی کارروائیوں میں یہ پرانی زبان استعمال ہوتی ہے۔ ان کے الفاظ کا تو وہی مفہوم ہے اور وہی ہو سکتا ہے جو آج کل ان سے مراد لیا جاتا ہے۔ آج کل اردو زبان میں ”قوم“ اور ”قومیت“ کے الفاظ انگریزی زبان کے الفاظ Nation اور Nationalism کے مقابلہ میں بولے

جاتے ہیں جن کی تشریح لارڈ برائس نے اپنی کتاب میں ”الاقوامی تعلقات“ International Relations میں یہیں الفاظ کی ہے:-

”ایک قومیت سے مراد اشخاص کا ایسا مجموعہ ہے جس کو چند مخصوص جذبات (Sentiments) نے ملا کر باہم مربوط کر دیا ہو۔ ان میں سے بڑے اور طاقت ور مجاذبے تو دو ہیں۔ ایک مجاذبہ نسل۔ دوسرا مجاذبہ دین لیکن ایک مشترک بان کے ہنماں اور مشترک لڑچھرے بچھی، اور زمانہ ماضی کے مشترک قومی کارناموں اور مشترک مصائب کی یاد، اور مشترک رسوم و عوائد مشترک تخیلات و افکار اور مشترک مقاصد اور اصولوں کا بھی اس احساس جمعیت کی پیدائش میں بہت کچھ دخل ہوتا ہے کبھی یہ سب رابطے کی موجود ہوتے ہیں اور مجموعہ افراد کو بڑے چوستہ رکھتے ہیں۔ اور کبھی ان میں سے بعض رابطے موجود نہیں ہوتے لیکن قومیت پھر بھی موجود ہوتی ہے“

اسی کی تشریح ”اخلاق و ادیان کی دائرہ المعارف“ Encyclopaedia of

(Religion and Ethics) میں یوں کی گئی ہے:-

قومیت وہ وصف عام یا متعدد اوصاف کا ایسا مرکب ہے جو ایک گروہ کے افراد میں مشترک ہو اور ان کو جوڑ کر ایک قوم بنادے۔۔۔۔۔ ہر ایسی جماعت ان افراد پر مشتمل ہوتی ہے جو نسل، مشترک روایا، مشترک مفاہیم، مشترک عادات و رسوم اور مشترک بان کے رابطوں سے باہم مربوط ہوتے ہیں، اور ان میں سے زیادہ اہم رابطہ ان کے درمیان یہ ہوتا ہے کہ وہ باہم ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھتے ہیں، بلا ارادہ ایک دوسرے کے ساتھ

وابستہ ہوتے ہیں، اور ان کے درمیان مختلف خفیات سے الفت و موانست ہوتی ہے۔ بغیر قوم کا آدمی ان کو غیر اور اجنبی محسوس ہوتا ہے اس لیے کہ اس کی دلچسپیاں اور اس کی عادات انھیں زالی معلوم ہوتی ہیں اور ان کے لیے اس کے انداز طبیعت اور اس کے خیالات و جذبات کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ اسی وجہ قدیم زمانے کے لوگ غیر قوم والوں کو شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے، اور اسی وجہ سے آج کا مذہب آدمی بھی غیر قوم والے کی عادات اور طرز زندگی کو اپنے مذاق کے خلاف پاکر ناک بھوں پڑھاتا ہے۔

کی کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ قرآن مجید نے اس منی میں کفار و مشرکین اور مسلمانوں کا ایک قومیت میں جمع ہونا جائز رکھا ہے؟ یا کوئی نجی دنیا میں کبھی اس غرض کے لیے بھی بھیجا گیا ہے کہ مومن اور غیر مومن سب کو اس منی میں ایک قوم بنا کر انہیں تو فیضوں و نعمتیں بخشنے کی کوشش فرمائیں کہ قرآن کی رو سے قومیت میں اشتراکِ مسلم اور کافر کا ہو سکتا ہے، کو نظر انداز کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائیں کہ قرآن کی رو سے قومیت میں اشتراکِ مسلم اور کافر کا ہو سکتا ہے، درآئی لیکر قومیت کا جو مفہوم قرآن کی زبان میں تھا اس کو آج کے مفہوم سے ذرہ برابر کوئی علاقہ نہیں بتقدیر نہیں "مکروہ" اور "حرام" میں اصطلاحی فرق نہیں کیا تھا اس لیے اکثر مقامات پر ان کی عبارتوں میں مکروہ یعنی مستعمل ہوا ہے لیکن اب کہ ممنوعیت کے ان دونوں مدارج کے لیے الگ اصطلاحیں بن چکی ہیں، اگر کوئی شخص کسی حرام کو محض مکروہ یعنی اصطلاحی ٹھیرائے اور حجت کے طور پر سلف کی کوئی عبارت پیش کرے تو کیا یہ مخاطب کے سوا کچھ اور ہوگا؟ اسی طرح لفظ قومیت بھی اب اصطلاح بن چکا ہے۔ اب مسلم و کافر کے لیے مشترک قومیت کا لفظ استعمال کرنا، اور مقررین کا منہ بند کرنے کے لیے اس لفظ کے پُرانے استعمالات کو حجت میں پیش کرنا، بھی محض ایک مخاطب ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔

ایک اور لفظی مخاطب | آگے چل کر مولانا دعویٰ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں یہود اور مسلمانوں کی متحدہ قومیت بنائی تھی، اور اس کے ثبوت میں وہ معاہدہ پیش کرتے ہیں جو ہجرت کے بعد حضور اکرم اور یہودیوں کے درمیان ہوا تھا۔ اس معاہدہ میں کہیں یہ فقرہ مولانا کے ہاتھ لگایا کہ

وان يهود بنى عوف امة مع المؤمنين بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک امت ہوں گے۔
 بس یہ فقرہ ”یہودی اور مسلمان ایک امت ہوں گے“ یہ دعویٰ کرنے کے لیے کافی سمجھ لیا گیا کہ آج بھی مسلمانوں اور غیر مسلموں کی متحدہ قومیت بن سکتی ہے۔ لیکن یہ پھر لفظی مغالطہ ہے۔ لغت عرب میں امت سے مراد ہر وہ جماعت ہے جس کو کوئی چیز جمع کرتی ہو، عام اس سے کہ وہ زمانہ ہو، مقام ہو، دین ہو یا کوئی اور چیز۔ اس لحاظ سے اگر مختلف قومیں کسی ایک مشترک مقصد کے لیے عارضی طور پر متفق ہو جائیں تو ان کو بھی ایک امت کہا جاسکتا ہے۔ چنانچہ صحابہؓ انسان العرب کہتے ہیں:-

وقوله في الحديث ان يهود بنى عوف
 امة من المؤمنين يريد اهلهم بالصلم الذي
 حديث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ان يهود بنی عوف امة من المؤمنين، اس مراد یہ ہے کہ یہودیوں کا وہ امت بننے والوں کے درمیان جو صلح واقع ہوئی ہے اس کی وجہ سے وہ ایک امت بن گئے ہیں۔
 كلمتهم وايليهم واحدة
 مسلمانوں ہی کی ایک جماعت ہو گئیں اور ان کا معاملہ واحد ہے۔

اس ”نوی“ امت“ کو آج کی اصطلاحی ”متحدہ قومیت“ سے کیا واسطہ؟ زیادہ سے زیادہ اس کو آج کل کی سیاسی زبان میں فوجی اتحاد Military alliance کہہ سکتے ہیں۔ یہ محض ایک تحالف تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ یہودی اپنے دین پر اور مسلمان اپنے دین پر رہیں گے، دونوں کی تمدنی و سیاسی سہیتیں الگ الگ ہیں گی، البتہ ایک فرقہ پر جب کوئی حملہ کرے گا تو دونوں فرقہ مل کر لڑیں گے، اور دونوں اس جنگ میں اپنا اپنا مال خرچ کریں گے۔ دو تین سال کے اندر ہی اس تحالف کا خاتمہ ہو گیا اور مسلمانوں نے کچھ یہودیوں کو جلاوطن اور کچھ کو ہلاک کر دیا۔ کیا اس کا نام ”متحدہ قومیت“ ہے؟ کیا کسی مہنی میں بھی یہ چیز ”اس“ متحدہ قومیت“ سے ناممکن رکھتی ہے جو اس وقت معرض بحث میں ہے؟ کیا وہاں کوئی مشترک سٹیٹ بنایا گیا تھا؟ کیا وہاں کوئی مشترک مجلس قانون ساز بنائی گئی تھی اور یہ طے ہوا تھا کہ یہودی اور مسلمان ایک مجموعہ ہوں گے اور اس مجموعہ میں سے جس کی اکثریت ہو گی وہی مدینہ پر حکومت کرے گا اور اسی کے منظور کیے ہوئے قوانین مدینہ میں نافذ ہوں گے؟ کیا وہاں مشترک عدالتیں قائم ہوئی تھیں جن میں یہودیوں اور

مسلمانوں کے قصایا کا کجا اور ایک ہی ملکی قانون کے تحت فیصلہ ہوتا ہو؟ کیا وہاں کوئی وطنی کانگریس بنائی گئی تھی جس میں یہودی اکثریت کا منتخب کیا ہوا بائی کمانڈ اپنی انگلیوں پر یہودی اور مسلمان سب کو قص کرنا ہو گیا وہاں تو سب سے معاہدہ کرنے کے بجائے کعب بن اشرف اور عبداللہ بن ابی براہ راست افراسین سے ماس کا ٹیکٹ کرنے گئے تھے؟ کیا وہاں ردھاکیم کے طرز کی کوئی تعلیمی سکیم تصنیف کی گئی تھی تاکہ مسلمان اور یہودی بچے ایک مشترک سوسائٹی بنانے کے لیے تیار کیے جائیں اور ان کو یہودیت اور اسلام کی صرف مشترک سچائیاں ہی پڑھائی جائیں؟ کیا وہاں بھی کسی بورا ف نے کوئی ”صومعہ سکیم“ تمام اہل مدینہ کے لیے بنائی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تعلیمی صورتوں میں مسلمان بچوں کا بھیجا جانا قبول فرمایا تھا؟ مولانا آخر فرمائیں تو کہ جس ”متحدہ قومیت“ کو وہ رسول خدا کی طرف منسوب کر رہے ہیں اس میں آج کل کی ”متحدہ قومیت“ کے عناصر ترکیبی میں سے کونسا عنصر پایا جاتا تھا؟ اگر وہ کسی ایک عنصر کا بھی پتہ نہیں دے سکتے، اور میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہر گز نہیں دے سکتے تو کیا مولانا کو خدا کی باز پرس کا خوف نہیں کہ محض امتہ من المومنین یا امتہ مع المومنین کے الفاظ معاہدہ نبوی میں دیکھ کر وہ مسلمانوں کو باوجود کرنا چاہتے ہیں کہ بھی متحدہ قومیت آج کانگریس بنا رہی ہے ویسی ہی متحدہ قومیت کل نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی چلے ہیں لہذا آؤ اور اطمینان سے اس میں جذب ہو جاؤ؟ الفاظ کا سہارا لے کر مولانا نے اپنا مدعا ثابت کرنے کی کوشش تو بہت خوبی کے ساتھ کر دی، مگر انھیں یہ خیال نہ آیا کہ حدیث کے الفاظ کو مفہوم نبوی کے خلاف کسی دوسرے مفہوم پر چسپا کرنا، اور اس مفہوم کو نبی کی طرف منسوب کر دینا من کذب علی متعمدا کی زوین آجاتا ہے۔ مولانا خود ایک صلحیہ عالم اور محدث ہیں۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی شخص حدیث عائشہ کان النبی صلعم یقبل ویبایعہ وہو حشام کے لفظ مباشرت کو اردو کو معروف معنوں میں ڈڈا اور اس سے یہ استدلال کرے کہ روزے میں مباشرت کرنا نعوذ باللہ سنت سے ثابت ہے لہذا سب مسلمانوں کو روزے میں مباشرت کرنی چاہیے تو آپ اس پر کیا حکم لگائیں گے؟ دونوں استدلالوں کی نوعیت ایک ہے لہذا ان کا حکم بھی ایک ہی ہونا چاہیے اور کوئی وجہ نہیں کہ استدلال کی شخصیت کو دیکھ کر اس باب میں رعایت کی جائے۔ بلکہ اگر استدلال ان لوگوں میں سے ہے جن کی طرف

مسلمان اعتماد اور بھروسے کے ساتھ اپنے دین کا علم حاصل کرنے کے لیے رجوع کرتے ہیں، تو محالہ اور زیادہ اشد ہو جاتا ہے جب شفا خانے ہی سے زہر تقسیم ہونے لگے تو امن کہاں تلاش کیا جائے؟

بنار فاسد علی الفاسد | پھر مولانا اس متحدہ قومیت کے جواز میں ایک اور دلیل پیش فرماتے ہیں اور وہ یہ ہے :-

”ہم روزانہ مفاد ہائے مشترک کے لیے ہستیات اجتماعیہ بناتے ہیں اور ان میں نہ صرف شریک ہوتے ہیں بلکہ ان کی عمری اور شرکت کے لیے انتہائی جدوجہد کرتے ہیں..... ہٹاؤن ایریا، ٹیٹنٹائیڈ ایریا، میونسپل بورڈ، ڈسٹرکٹ بورڈ، کونسلٹا، اسمبلیاں، ایکسچینج ایشیو اور اس قسم کی سینکڑوں انجمنیں اور ایسوسی ایشنیں ہیں جو کہ انہی اصولوں اور قواعد سے عبارت ہیں جو کہ خاص مقصد کے ماتحت ہستیات اجتماعیہ کے لیے بنائے گئے ہیں۔ تعجب ہے کہ ان میں حصہ لینا اور مکمل یا غیر مکمل جدوجہد کرنا ممنوع قرار نہیں دیا جاتا مگر اسی قسم کی کوئی انجمن اگر آزاد دی ملک اور برطانوی اقتدار کے خلاف قائم ہو تو وہ حرام خلاف دیانت، خلاف تعلیمات اسلامیہ اور خلاف عقل و دانش وغیرہ ہو جاتی ہے“ (صفحہ ۴۱)

یہ بنار فاسد علی الفاسد ہے۔ ایک گناہ کو جائز فرض کر کے اس کی حجت پر مولانا اسی قسم کے دوسرے گناہ کو جائز ثابت کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ دونوں میں ایک ہی علت حرمت پائی جاتی ہے اور مقیس و مقیس بہ دونوں ناجائز ہیں تا وقتیکہ یہ علت اُن سے دور نہ ہو۔ علمائے کرام مجھے معاف فرمائیں، میں صاف کہتا ہوں کہ ان کے نزدیک کونسلوں اور اسمبلیوں کی شرکت کو ایک دن حرام اور دوسرے دن حلال کر دینا ایک کھیل بن گیا ہے اس لیے کہ ان کی تعمیل و تحریم حقیقت نفس الامری کے ادراک پر تو مبنی ہے نہیں، محض گاندھی جی کی جنبش ایک ساتھ ان کا قوی گردش کیا کرتا ہے لیکن میں اسلام کے غیر تفریذ پر اصولوں کی بنا پر یہ کہتا ہوں کہ ہر اس اجتماعی ہستی کو تسلیم کرنا مسلمانوں کے لیے ہمیشہ گناہ تھا، آج بھی گناہ ہے اور ہمیشہ گناہ رہے گا جس کا دستور انسانوں کو اس امر کا اختیار دیتا ہو کہ وہ ان مسائل کے متعلق قانون بنائیں یا ان مسائل کا تصفیہ کریں، جن پر خدا اور اس کا رسول پہلے اپنا ناطق فیصلہ دے چکا ہو۔ اور یہ گناہ اس صورت میں اور زیادہ شدید ہو جاتا ہے جبکہ ایسے اختیارات رکھنے والی

اجتماعی حیثیت میں اکثریت غیر مسلموں کی ہو، اور فیصلہ کار اکثریت رائے پر ہو۔ ان اجتماعی حیثیتوں کے حدود اختیار و عمل کو خدا کی شریعت کے حدود الگ کر دینا مسلمانوں کا اولین فرض ہے اور اصلی جنگ آزادی ان کے لیے ہی ہے۔ اگر یہ حدود الگ ہو جائیں تو بلاشبہ ہر اُس جماعت میں شریک ہونا اور پورا پورا تعاون کرنا مسلمانوں کے لیے جائز ہوگا جو مسلمانوں اور غیر مسلموں کی مشترک اغراض کے لیے بنائی جائے عام اس سے کہ وہ آزادی ملک کے لیے ہو یا انتظام مملکت کے لیے، یا معاشی و صنعتی کاروبار کے لیے لیکن جب تک حدود ایک دوسرے گڈ بڈ ہیں، اشتراک تعاون تو دکن را، ایسے دستور کے تحت زندگی بسر کرنا بھی مسلمانوں کے لیے گناہ ہے۔ اور یہ اجتماعی گناہ ہے جس میں من و تو کی تمیز نہیں۔ ساری قوم اس وقت تک گناہ گار رہے گی جب تک کہ وہ اس دستور کو پارہ پارہ نہ کر دے۔ اور اس میں ان لوگوں کا گناہ شدید تر ہوگا جو اس دستور پر راضی ہوں گے اور اسے چلانے میں حصہ لیں گے۔ اور اس شخص کا گناہ شدید ترین ہوگا جو خدا کی شریعت اور اس کے رسول کی سنت کو اس کے لیے دیں جواز بنائے گا، کائنات من کا۔

میرے نزدیک یہ نہ فقہ ہے اور نہ تقویٰ کہ جس چیز میں ایک علت حرمت کی اور دوسری علت جواز کی بیک وقت پائی جاتی ہو، اس میں سے محض علت جواز کو الگ نکال کر کلم لکھا دیا جائے اور علت حرمت کی طرف سے آنکھیں بند کر دی جائیں۔ آپ آزادی ملک اور برطانوی اقتدار کے خلاف جدوجہد کا نام تو جھوٹ لے دیتے ہیں کہ اسے کون نہ جائز بلکہ فرض ہوگا۔ لیکن یہ نام لیتے وقت آپ کو یہ یاد نہیں آتا کہ جو انجمن آپ کے زعم کے مطابق آزادی کے لیے جدوجہد کر رہی ہے، وہی انجمن اُس دستور کو قبول کرتی ہے، اُسے چلاتی ہے، اور اُسی کو درجہ کمال تک پہنچانے کے لیے لڑ رہی ہے جو اس فی مجلس قانون ساز کو خدا کے قانون میں ترمیم کرنے کا اختیار دیتا ہے، جس کی رو سے خدا کا قانون اگر نافذ ہو بھی سکتا ہے تو صرف اس وقت جبکہ اسے لمبیلچیر کی منظوری حاصل ہو جائے، جس کے تحت غیر مسلم اکثریت کو مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا نقشہ بنانے اور بگاڑنے کے پورے اختیارات حاصل ہوتے ہیں اور وہ ان کے اخلاق، ان کی معاشرت اور ان کی آئندہ نسلوں کی تعلیم تربیت پر قبضہ کے اثرات ڈال سکتی ہے۔ ایسے دستور کے ساتھ جو آزادی ملک حاصل ہوتی ہو، آپ اس کے پیچھے دو کتو ہیں، کیونکہ آپ کو صرف برطانوی اقتدار کا زوال مطلوب ہے عام اس سے کہ وہ کسی صورت میں ہو۔ اسی لیے آپ ایسی

انجمن کے معاملہ میں صرف ملت جواز ہی ڈھونڈتے ہیں اور ملتِ حرمت جو سامنے منہ کھولے کھڑی ہے، آپ کو کسی طرح نظر نہیں آتی لیکن ہم جہور میں کہ ان دونوں پہلوؤں کو ساتھ ساتھ دیکھیں اور ملتِ حرمت کو دفع کے بغیر ملتِ جواز کو قبول نہ کریں، اس لیے کہ ہم کو برطانوی اقتدار کا زوال اور اسلام کا بقا دونوں ساتھ ساتھ مطلوب ہیں۔ اس کا نام اگر کوئی برطانیہ پرستی رکھتا ہے تو رکھے، ہمیں اس کے طعن کی ذرہ برابر پروا نہیں۔

افسوسناک بے خبری | مولانا ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں :-

”متحدہ وطنی قومیت، کی مخالفت کا قویٰ صرف اس بنا پر کہ وطنیت کا مفہوم مغرب کی اصطلاح میں آج ایسے اصولوں پر اطلاق کیا جاتا ہے جو کہ ہئیتِ اجتماعیہ انسانیت سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ کبیر مخالفتِ مذہب ہیں، اسی مفہومِ مصطلح سے مخصوص ہوگا۔ مگر یہ مفہوم نہ عام طور پر لوگوں کے ذہن نشین ہو اور نہ اس کا کوئی مسلمان دیانت دار قائل ہو سکتا ہے اور نہ ایسے مفہوم کی اس وقت تحریک ہے۔ کانگریس اور اس کے کارکن اس کے محرک نہیں ہیں اور نہ اس کو ہم ملک کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔“ (صفحہ ۴۱)

اس دعوے کے ثبوت میں وہی پامال چیز پھر سامنے لائی گئی ہے جس کی حقیقت ایک سے زیادہ مرتبہ کھوئی جا چکی ہے ”یعنی بنیادی حقوق“ کا اعلان اور اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ :-

”خود کانگریس بھی جس متحدہ قومیت کو ہندوستان میں پیدا کرنا چاہتی ہے اس میں کوئی ایسی بات نہیں چاہتی جس سے اہل ہند کے مذاہب یا ان کے کلچر و تہذیب اور پرسنل لاپکسی قوم کا ضرر رساں اثر پڑے۔ وہ فقط انہی امور کو درست کرنا اور سلجھانا چاہتی ہے جو کہ مشترک مفاد اور ضروریاتِ ملیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کو پرہی حکومت نے اپنے قبضہ میں لے کر عام باشندگانِ ہند کو فائدے کے گھاٹ اتار دیا ہے عموماً یہ امور وہی ہیں جو کہ ٹاؤن ایریا، نوٹیفائیڈ ایریا، میونسپل بورڈوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں، کونسلوں، اسمبلیوں وغیرہ میں داخلی اور خارجی حیثیات سے طے کیے جاتے ہیں۔ ان میں کسی قوم یا مذاہب

کا دوسری قوم یا مذہب میں جذب ہو جانا ملحوظ نظر نہیں ہے۔ (صفحہ ۵۷)

یہ تحریر ایک روشن نمونہ ہے اس امر کا کہ اس نادر وقت میں کیسی سطح بینی اور کسی سہل انگاری کے ساتھ مسلمانوں کی پیشوائی کی جارہی ہے جن مسائل پر اٹھ کر مسلمانوں کے مستقبل کا انحصار ہے، جن میں ایک راسی جو کہ بھی قوم کی آئندہ صورت اجتماعی و اخلاقی کو بگاڑ کر کچھ سے کچھ کر دے سکتی ہے، ان کے تصفیہ کو ایسا ہلکا اور آسان کام سمجھ لیا گیا ہے کہ اس کے لیے اتنے مطالعہ اور غور و خوض اور تدبر کی بھی ضرورت نہیں سمجھی جاتی جس کا اہتمام ایک فرد و مد کو طلاق اور وراثت کا کوئی جزئی مسئلہ بتانے میں کیا جاتا ہے عبارت کا ایک ایک لفظ شہادت دے رہا ہے کہ مولانا تو قومیت کے اصطلاحی مفہوم کو جانتے ہیں، انکا انگریس کے مقصد و مدعا کو سمجھتے ہیں، بنیادی حقوق کے معنی پر انھوں نے غور کیا ہے، نہ ان کو یہ خبر ہے کہ جن اجتماعی مجلسوں کا وہ بار بار اس قدر سادگی کے ساتھ ذکر فرما رہے ہیں ان کے حدود اختیار عمل موجود دستور کے تحت کس طرح اور کن کن راہوں سے اُس دُور سے تین نفوذ کرتے ہیں جس کو تہذیب و تمدن اور عقائد و اخلاق کا دارہ کہا جاتا ہے۔ حد یہ ہے۔ اور یہ بات میں خوب سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔

کہ مولانا یا انہیں علم و فضل و کچھ تہذیب، پرسنل لا وغیرہ الفاظ بھی جس طرح استعمال کر رہے ہیں اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ان کے معنی و مفہوم سے نا آشنا ہیں۔ میری یہ صاف گوئی ان حضرات کو یقیناً نہایت بری معلوم ہو گی جو رجال کو حق سے پہچاننے کے بجائے حق کو رجال سے پہچاننے کے عوگر ہیں، وراس کے جواب میں چند اوگالیاں سننے کے لیے میں نے اپنے آپ کو پہلے ہی تیار کر لیا ہے مگر میں جب دیکھتا ہوں کہ مذہبی پیشوائی کی منہ قدس سے مسلمانوں کی غلط رہنمائی کی جارہی ہے، ان کو حقائق کے بجائے اوہام کے پیچھے چلایا جا رہا ہے، اور خدشوں سے بھری ہوئی راہ کو شاہراہِ مستقیم بنا کر انھیں اس کی طرف دھکیلا جا رہا ہے، تو میں کسی طرح اس پر صبر نہیں کر سکتا، کوشش بھی کروں تو میرے اندر اس پر صبر کی طاقت نہیں ہے، لہذا مجھے اس پر راضی ہو جانا چاہیے کہ جو کوئی یہی صاف گوئی پر ناراض ہو تا ہو ہو جائے وَاَقْوَصُ اَحْسٰی اِلٰی اللہ۔

وطنی قومیت کا حقیقی مدعا | معنی قومیت کی تشریح کے لیے اُن عبارات پر پھر ایک نظر ڈال لیجئے جو ای منعمون ہیں

لارڈ برائس کی کتاب بین الاقوامی تعلقات اور اخلاق وادیان کی دائرۃ المعارف سے نقل کی گئی ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے افراد کو قوم بنانے والی چیز اصلاً اور ابتداً ایک ہی ہے اور وہ کوئی ایسا جاذبہ ہے جو ان سب میں روح بن کر پھیل جائے اور ان کو ایک دوسرے سے مربوط کر دے لیکن محض اس جاذبہ کا موجود ہونا قوم بنانے کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ اس کو اتنا طاقت ور بنانا چاہیے کہ وہ تمام ان داعیات کو بادے جو افراد کو، یا افراد کے چھوٹے چھوٹے مجموعوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنے والے ہوں۔ اس لیے کہ علیحدہ کرنے والی چیزیں اگر اس جڑیوں جاذبہ کی مزاحمت کرنے کے لیے کافی غیور ہوں تو وہ جوڑنے کے عمل میں کامیاب نہیں ہو سکتا، یا الفاظ دیگر ”قوم“ نہیں بنا سکتا۔ علاوہ بریں تشکیلیں قومیت کے لیے زبان، ادب، تاریخی روایات، رسوم و عادات، معاشرت اور طرز زندگی، افکار و تخیلات، معاشی مفاد اور مادی اغراض کی مدد بھی درکار ہوتی ہے۔ یہ سب چیزیں ایسی ہونی چاہئیں جو اس جوڑنے والے جاذبہ کی فطرت سے مناسبت رکھتی ہوں یعنی ان کے اندر کوئی مختصر یا نہ ہو جو علیحدگی کے احساس کو زندہ رکھنے والا ہو اس لیے کہ یہ سب کی سب ایسی طاقتیں ہیں جو افراد کو مجتمع کرنے میں اثر رکھتی ہیں اور یہ جوڑنے کے عمل میں اس کلمہ جامعہ کی مددگار صرف اسی طرح ہو سکتی ہیں کہ ان سب کا میلان اسی مقصود کی طرف ہو جو اس کلمہ جامعہ کا مقصد ہے۔ ورنہ بصورت دیگر یہ دوسرے ڈھنگ پر جماعت سازی کریں گی اور قوم بنانے کا عمل تھس ہو گا۔ اب غور کیجیے کہ جس ملک میں اس معنی کے حافظے غفلت قویں رہتی ہوں ان کو متفق کرنے کی کیا صورتیں ممکن ہیں۔ آپ جتنا بھی غور کریں گے، آپ کو صرف دو ہی ممکن صورتیں نظر آئیں گی:-

ایک یہ کہ ان قوموں کو ان کی قومیتوں کے ساتھ برقرار رکھ کر ان کے درمیان واضح اور متین شرائط کے ساتھ ایک ایسا وفاقی معاہدہ ہو جائے جس کی رو سے وہ صرف مشترک اغراض و مقاصد کے لیے مل کر عمل کریں اور باقی امور میں بالکل خود مختار ہوں۔ کیا کانگریس نے فی الواقع یہ طریقہ اختیار کیا ہے؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ان قوموں کو ایک قوم بنا دیا جائے۔ یہی دوسری صورت کانگریس چاہتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ قومیں ایک قوم کس طرح بن سکتی ہیں؟ لا محالہ ان کے لیے سب سے پہلے تو ایک مشترک جاذبہ

ایک جامع کلمہ درکار ہے، اور وہ جاذبہ یا کلمہ صرف تین چیزوں ہی سے مرکب ہو سکتا ہے: وطن پرستی، تہذیبی دشمنی، نفرت اور معاشی مفاد سے دلچسپی۔ پھر جیسا کہ میں اوپر کہہ چکا ہوں، قوم بنانے کے لیے شرط لازم یہ ہے کہ یہ جاذبہ تین قوی ہو کہ دوسرے تمام جاذبے جنہوں نے ان قوموں کو الگ الگ اقوام بنا رکھا ہے اس کے سامنے دلائل۔ کیونکہ اگر مسلمان کو اسلام سے، ہندو کو ہندویت سے، کچھ کو سکھیت سے، تہذیبی دلچسپی ہو کہ جب مذہب یا قومیت کا معاملہ سامنے آئے تو مسلمان، مسلمان کے ساتھ، اور ہندو، ہندو کے ساتھ اور سکھ، سکھ کے ساتھ جڑ جائے اور اس قومی (یا وطن پرستوں کی زبان میں فرقہ وارانہ) معاملہ کی حمایت کے لیے ایک جماعت بن کر اٹھ کھڑا ہو، تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جاذبہ وطن نے ان کو ایک قوم نہیں بنایا۔ یہ امر دیکھتے ہیں کہ مسلمان اسلام کا قائل رہے اور مذہبی پڑھ لیا کرے، اور ہندو، ہندویت کا حقد رہے اور ہند بھی چلا گیا کرے، لیکن ایک قوم بننے کے لیے شرط اول یہ ہے کہ اس کی نگاہ میں وطنیت کی کم از کم اتنی اہمیت ضرور ہو کہ اسلام کو اور ہندویت یا سکھیت کو وہ اس پر قربان کر سکتا ہو۔ اس کے بغیر "وطنی قومیت" قطعاً بے معنی ہے۔

یہ تو وطنی قومیت کا تخم ہے مگر یہ تخم بار آور نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے لیے مناسب آب و ہوا، مناسب زمین اور مناسب موسم نہ ہو۔ اوپر عرض کر چکا ہوں کہ جاذبہ قومی کی مدد کے لیے ضروری ہے کہ زبان، ادب، تاریخی روایات، رسوم و عادات، معاشرت اور طرز زندگی، افکار اور تخیلات، معاشی اغراض اور مادی مفاد، غرض تمام وہ چیزیں جو انسانی جماعتوں کی تالیف و ترکیب میں فی البدیہہ اثر رکھتی ہیں، اسی ایک جاذبہ قومی کی فطرت میں دھلی ہوئی ہوں۔ اس لیے کہ افراد کو جوڑنے والی ان مختلف طاقتوں کا میلان اگر علیحدگی کی جانب تو یہ جذبہ اور تالیف اور اجتماع کے عمل میں اس جاذبہ کی اٹھی فراہم کر دیں گی اور متحدہ قوم نہ بننے دیں گی۔ لہذا ایک وطنی قوم بنانے کے لیے یہ بالکل ناگزیر ہے کہ ان سب چیزوں میں سے ان عناصر کو نکالا جائے جو مختلف قوموں کے اندر جدا جدا قومیت کی روح پیدا کرتے اور زندہ رکھتے ہیں، اور ان کے بجائے ایسے رنگ میں ان کو ڈھالا جائے کہ وہ آہستہ آہستہ تمام افراد اور طبقوں اور گروہوں کو ہم رنگ کر دیں، ان کو ایک موٹائی بنا دیں، ان کے اندر ایک مشترک

اجتماعی مزاج اور مشترک اخلاقی روح پیدا کریں، ان کے اندر ایک طرح کے جذبات و احساسات بھونکے ہیں، اور ان کو ایسا بنادیں کہ ان کی معاشرت ایک ہو، طرز زندگی ایک ہو، ذہنیت اور انداز فکر ایک ہو، ایک ہی تاریخی چشمہ سے وہ افتخار کے جذبات اور روح کو حرکت میں لانے والے محرکات حاصل کریں، اور ان کے درمیان ایک دوسرے کے لیے کی چیزیں بھی کوئی نرالا بین باقی نہ رہے۔

اسی مقصد کے لیے وردھا اکیم بنائی گئی ہے اور یہی مقصد ویا مندر اکیم کا ہے، جیسا کہ دونوں ایکوں میں صاف صاف لکھ بھی دیا گیا ہے۔ مگر مولانا نے ان ایکوں اور ان کے نصاب کو نہیں دیکھا۔ اسی قومیت کا تصور برسوں پہلے جواہر لال بھونک رہے ہیں مگر ان کی بھی کوئی تحریر و تقریر مولانا کی سماعت و بصارت تک پہنچنے کا موقع نہ پاسکی۔ یہی چیز کانگریس کا ایک ایک ذمہ دار آدمی کہہ رہا ہے، لکھ رہا ہے، اور اس کے لیے ان حاکمانہ طاقتوں سے کام لے رہا ہے جو نئے دستور نے عطا کی ہیں، مگر نہ مولانا کے کان ان باتوں کو سنتے ہیں اور نہ ان کی آنکھیں ان چیزوں کو دیکھتی ہیں۔ اسی چیز کے لیے ان تمام اجتماعی ہیئتوں اور مجلسوں سے کام لیا جا رہا ہے جن کی فہرست مولانا بار بار گزرا کرتے ہیں، اور یہ مجالس محض اس وجہ سے اس کام میں ان کی مددگار بن گئی ہیں کہ ان کا دائرہ عمل ان تمام معاملات پر چھایا ہوا ہے جن کو آپ تہذیب، کلچر، پرسنل لا وغیرہ ناموں سے یاد فرماتے ہیں۔ مگر یہ عمل جو ہر ان ہندوستان کے ہر حصہ میں ہو رہا ہے اس کی بھی کج شناس کو مولانا کے اس خمسہ تک رسائی حاصل نہ ہو سکی۔ اس پورے مواد میں سے صرف ایک ہی دست ویزان نکلتی ہے جس کا نام ”بنیادی حقوق“ ہے اور بس اسی کے اعتماد پر مولانا ”اس متحدہ قومیت“ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے تشبیہ دینے کی جرأت فرما رہے ہیں، حالانکہ ان بنیادی حقوق کی حیثیت ملکہ وکٹوریہ کے شہور اعلان سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے اور مغربی ڈپلومیسی کی ایسی چالوں کا رشتہ رسول پاک کے عمل سے جوڑنے کی جسارت ہم جیسے گناہ گاروں کے بس کی بات تو نہیں ہے۔ ہاں جن کے پاس تقویٰ کا زادراہ اتنا زیادہ ہے کہ وہ ایسی جسارتیں کرنے پر بھی بخشش کی امید رکھتے ہیں، انھیں اختیار ہے کہ جو چاہیں کہیں اور جو چاہیں لکھیں۔

اشتراک لفظی کا فتنہ | مولانا نے اپنے ذہن میں ”متحدہ قومیت“ کا ایک خاص مفہوم متعین کر رکھا ہے جس کے حدود انھوں نے تمام شرعی شرائط کو ملحوظ رکھ کر اور تمام امکانی اعتراضات سے پہلو بچا کر خود مقرر فرمائیں، اول کو وہ ایسی پُر احتیاط مغنیانہ زبان میں بیان فرمائیں کہ قواعد شرعیہ کے لحاظ سے کوئی اس پر حرف نہ لاسکے لیکن اس خرابی بس اتنی ہی ہے کہ اپنے مفہوم ذہنی کو مولانا کانگریس کا مفہوم و مدعا قرار دے رہے ہیں حالانکہ کانگریس اس سے بل اصل دور ہے۔ اگر مولانا صرف اتنا کہنے پر اکتفا کرتے کہ ”متحدہ قومیت“ سے میری مراد یہ ہے، تو ہمیں کچھ جھگڑا کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن وہ آگے قدم بڑھا کر فرماتے ہیں کہ نہیں، کانگریس کی مراد بھی یہی ہے، اور کانگریس بالکل نبی صلعم کے اسوہ پر چل رہی ہے، اور مسلمانوں کو مومن و مطمئن ہو کر اپنے آپ کو اس متحدہ قومیت کے حوالہ کر دینا چاہیے جسے کانگریس بنانا چاہتی ہے۔ یہیں سے ہمارے اور ان کے درمیان نزاع کا آغاز ہوتا ہے فرض کیجئے کہ ”پانی ڈالنے“ سے آپ کا مفہوم ذہنی ”پانی ڈالنا“ ہی ہو، لیکن دوسرے نے ”اگ لگانے“ کا نام ”پانی ڈالنا“ رکھ چھوڑا ہو، تو آپ کتنا غلط کریں گے اگر اختلاف معنی کو نظر انداز کر کے لوگوں کو مشورہ دینے لگیں کہ اپنا گھر اس شخص کے حوالہ کر دو جو ”پانی ڈالنے“ کے لیے کہتا ہے۔ ایسے ہی مواقع کے لیے تو قرآن مجید میں ہدایت کی گئی تھی کہ جب ایک لفظ ایک صحیح معنی اور ایک غلط معنی میں مشترک ہو جائے اور تم دیکھو کہ اعداء دین اس اشتراک لفظی سے فائدہ اٹھا کر فتنہ برپا کر رہے ہیں تو ایسے لفظ ہی کو چھوڑ دو۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَتَقُولُوا نَنْظُرُنَا وَنَسْمَعُوا وَلَكِنْ كُفِّرْ بَيْنَ عَنَّا** (البقرہ - ۱۲) لہذا مولانا کو اپنے مفہوم ذہنی کے لیے تحائف، یا وفاق یا قیاسی کم کا کوئی مناسب لفظ اختیار کرنا چاہیے تھا، اور اس وفاق یا تحائف کو بھی اپنی تجویز کی حیثیت پیش کرنا چاہیے تھا نہ اس حیثیت سے کہ یہ کانگریس کا عمل ہے۔ کم از کم اب وہ امت پر رحم فرما کر اپنی غلطی محسوس فرمائیں ورنہ اندیشہ ہے کہ ان کی تحریریں ایک فتنہ بن کر رہ جائیں گی اور اس پرانی سنت کا اعادہ کریں گی کہ ظالم امراء اور فاسق اہل بیت نے جو کچھ کیا اس کو علماء کے ایک گروہ نے قرآن و حدیث سے درست ثابت کر کے ظلم و طغیان کے لیے مذہبی ٹھیل فراہم کر دی۔ **كَذَّبْنَا الْجَحِيلِينَ فَنَتَبَّخَّ لِقَوْمٍ أَظْلَمُ مِنِّ**

ہندستان کا مجددِ عظیم

۱۹۱

ماہنامہ ”الفرقان“ کا مجلدِ الف ثانی نمبر ۱

(مسلمانانِ ہند کے مذہبی و سیاسی اختلافات کا ناطقِ فیصلہ)

حضرت امام ربانی مجددِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ قدسی صفات پر سرزمینِ ہند جس قدر بھی ناز کرے کم ہی آپ پر غیر تھلکین اچکا ناز دعوتِ مصلحانہ غیر اٹھتا ہے آپ کے دورِ زندگی میں ہندوستان کے مذہبی و سیاسی حالات قریب قریب بالکل دیے ہی تھے جن میں آج اسلامیانِ ہند گھڑے ہوئے ہیں۔ حضرت دکن حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے جس بانی ہدایت و انشراحِ صدر کا کام کیا ان کے نامساعد حالات کا مقابلہ کیا تھا آج بھی اس کو فراموش نہ کر کے ملتِ اسلامیہ کو تحفظ اور شریعتِ ہدیکہ احیا کیا جائے انہیں حالات کے پیش نظر ادارہ ”الفرقان“ نے ”مجیدِ مذہب“ شائع کیا ہے جو تقریباً دو چار سو صفحات پر نہایت آگے تک ساتھ ماہِ شوال میں شائع ہوا تھا ادارہ نے نہایت سرگرمی کے ساتھ اس کی تیاری میں حصہ لیا الحمد للہ کہ ملک کے اکابر علماء و مشائخ، مشاہیر اہل قلم و اربابِ تحقیق کے بلند پایہ مقالات اور محققانہ مضامین کا غیر معمولی سرمایہ فراہم ہو چکا ہے اور یقین ہے کہ یہ مجید حضرت مجددِ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات، کمالات، ملفوظات و مقالات غرض آپ کی پوری زندگی کا نہایت آگے روا بنا کہ آئینہ ہو گا جو حضرت مجددِ رحمۃ اللہ علیہ کی تمام سوانحِ حیات کے بے نیاز بنا دے گا۔ اعلیٰ الٰہی ریش کی قیمت ہر ایک روپیہ آٹھ آنہ، معمولی ایڈیشن کی قیمت ہر ایک روپیہ، مستحق خریداروں کو مفت دیا جائے گا، ان سے خریداروں کو بھی مفت دیا جائے گا بشرطیکہ وہ چندہ خریداری جلد از جلد دفتر کو روانہ کر دیں۔ چندہ سالانہ ”الفرقان“ اعلیٰ الٰہی ریش تین روپے، معمولی دو روپے (محمول ٹیکہ بذمہ خریدار)۔

البعین منہج ”الفرقان“ بریلی (یو۔ پی)

۲ مسلمان موجودہ سیاسی و سماجی کشمکش

تالیف ابوالاعلیٰ مودودی

حصہ اول

اسلامی ہند کی گذشتہ تاریخ موجودہ حالت اور مستقبل کے امکانات پر ایک سبق آموز تبصرہ جس سے مسلمانان ہند کے قومی مسئلہ کا ایک نیا تصور پیدا ہوتا ہے۔ اس کتاب کی زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی ضرورت ہے۔ اس لئے قیمت بہت کم رکھی گئی ہے ذیل کے نرخوں آپ سے طلب کیا جاسکتے ہیں

ایک روپے میں	۵ نسخے	علاوہ محصول ڈاک
نو روپے میں	۵۰ نسخے	کرایہ ریل بذمہ خریدار
پندرہ روپے میں	۱۰۰ نسخے	

حصہ دوم

اس حصہ میں ہندوستان کے موجودہ سیاسی حالات پر مفصل تبصرہ کر کے بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کی غفلت سے اس وقت تک ملک کے سیاسی تغیرات کس طرح اصول اسلام اور مسلمانوں کے قومی مفاد کے خلاف ہوتے رہے ہیں اور یہ کہ اگر اب مسلمان اپنی قومی زندگی کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو انہیں کونسی پالیسی اختیار کرنی چاہیے۔ اس کی قیمت بھی اشاعت عام کے لئے بہت کم رکھی گئی ہے۔

۲ روپے آنے میں	۵۰ نسخے	۱۱ روپے آنے میں	۲۵ نسخے	کرایہ ریل
		۲۲ روپے میں	۵۰ نسخے	بذمہ خریدار
		۳۰ روپے میں	۱۰۰ نسخے	

دفتر ترجمان القرآن لاہور سے طلب کیجئے

قواعد

رسالہ ترجمان القرآن بالعموم ہر ہجری مہینہ کے آخری ہفتہ میں شائع ہوا کریگا۔ دوسرے مہینہ کے پہلے ہفتہ تک اگر کسی خریدار کو پرچہ نہ پہنچے تو بروقت اُن کو شکایت کرنی چاہیئے۔
رسالہ کی قیمت میں رعایت ممکن نہیں ہے۔

خریداروں کو دفتر سے مراسلت کرتے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہیئے جو حضرت
نمبر درج نہ کریں گے۔ اُن کی شکایات پر کوئی توجہ نہ کی جائے گی۔
جن معاملات کا تعلق دفتر سے ہے اُن میں ایڈیٹر کو مخاطب نہ کیا جائے۔

منہج

نرخ نامہ و قواعد اشتہار

مقدار	ایک ماہ	۳ ماہ	۶ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	ع۵	ع۱۵	ع۲۵	ع۳۵
نصف صفحہ	۲	ع۷	ع۱۲	ع۲۰
ربع صفحہ	ل۱	ع۴	ع۸	ع۱۵

- ۱۔ کوئی خلاف شریعت یا خلاف تہذیب اخلاق اشتہار شائع نہ کیا جائے گا۔
- ۲۔ اشتہار کی اشاعت سے پہلے اجرت پیشگی وصول ہونی ضروری ہے۔
- ۳۔ صرف وہی چرچے قبول کیے جائیں گے جو اس رسالہ کے مسطر کے مطابق ہوں۔
- ۴۔ نرخ نامہ میں کوئی ترمیم نہ کی جائے گی۔
- ۵۔ نمائیل کے صفحات پر کوئی بیرونی اشتہار شائع نہ کیا جائے گا۔

۱۳۰۵ھ ۸۹۱۵
الحرمی درج شدہ تاریخ پر مبنی
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا

